والصلح خیر

گھریلو جھگڑوں سے نجات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھریلو جھگڑوں سے نجات

ازافادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اللہ اللہ

نام کتاب ——— گھریلو جھگڑوں سے نجات

ازافادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت دوئم ——— فروری 2009

تعداد ——— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

☆☆☆☆☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ یہ اپنے ماننے والوں کو مکارم اخلاق اور حسنِ معاشرت کی ایسی تعلیمات دیتا ہے کہ اگر ان پر پورا پورا عمل کیا جائے تو معاشرہ اخوت ومحبت، اور امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔ اگر کہیں معاملہ اس کے برعکس نظر آئے، آپس میں رنجشیں اور کدورتیں ہوں، دل بغض و کینہ سے بھرے ہوں، گھروں میں لڑائی جھگڑے اور شہروں میں دنگا فساد کا ماحول ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین سے نا آشنائی ہے، یا دینی تعلیمات سے روگردانی ہے۔ آج ہم اپنے گھروں کو یا ارد گرد کے ماحول کو دیکھیں تو عام طور پر جھگڑوں یا تناؤ کی فضا کسی نہ کسی صورت میں موجود نظر آتی ہے۔ یہ چیز ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ...... کیا ہم اسی دین کے پیروکار ہیں جو **انما المؤمنون اخوۃ** کی تعلیم دیتا ہے؟...... کیا ہم اسی دین کے داعی ہیں جو کہتا ہے کہ تمام مسلمان ایک جسد کی مانند ہیں اگر ایک کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرا بھی تکلیف محسوس کرتا ہے؟

فقیر چونکہ اپنے بڑوں کے حکم پر لوگوں کو اللہ اللہ سکھاتا ہے، لہٰذا اصلاحِ احوال کے طور پر بہت سے متعلقین کے گھریلو جھگڑوں سے بھی واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ لوگ اپنے اندر کے روگ آکر طبیب کو بتاتے ہیں یا پیر کو بتاتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے دوست اپنے بگڑے معاملات اور جھگڑوں کے سلجھاؤ کے لیے مشورے کے طالب

ہوتے ہیں تو فقیر صورتحال کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے کچھ نصیحت اور رہنمائی کر دیتا ہے۔ اکثر دیکھا یہی گیا ہے کہ بات اتنی بڑی نہیں ہوتی جتنی بن جاتی ہے، اصل میں تو دینی تعلیمات کونظر انداز کرنے کی بے برکتی ہوتی ہے جو معاملے کو الجھا دیتی ہے۔ فقیر اپنے متعلقین کی اصلاح کے لیے، وقتاً فوقتاً اپنی مجالس میں اسی عنوان پر کچھ نہ کچھ عرض کرتا رہتا ہے۔ تاہم گزشتہ سال زیمبیا میں اعتکاف کے دوران خواتین کی مجالس میں ''گھریلو جھگڑے'' کے عنوان سے مستقل بیانات کا ایک سلسلہ چلا جسے بہت پسند کیا گیا۔ بہت سے لوگوں نے بعد میں آ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ واقعی آج کے دور میں ان عنوانات پر بات ہونی چاہیے، تاکہ گھروں سے رنجشیں اور رقابتیں دور ہو سکیں۔

ان بیانات کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے معہد الفقیر الاسلامی جھنگ کے کچھ احباب نے انہیں کتابی صورت میں ضبط و ترتیب دیا اور مکتبۃ الفقیر نے انہیں شائع کرنے کا اہتمام کیا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں ان کے گھروں کو آباد اور دلوں کو شاد فرمائے آمین ثم آمین۔

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شيء

عرض مرتب

والدین کو لڑتے جھگڑتے بچے کبھی اچھے نہیں لگتے، اگر وہ لڑ پڑیں تو والدین صلح و اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح جب بندگان خدا میں کوئی جھگڑا یا فساد ہو تو مشائخ کو بھی وہ اچھا نہیں لگتا اور ان کی مربّیانہ طبیعت ان کی اصلاح کے لیے فکر مند ہوتی ہے۔

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (الحجرات:۱۰)

[اور (مؤمن) بھائیوں میں صلح کرادیا کرو]

کے مصداق ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کے بندے آپس میں پیار محبت سے رہیں اور سکون چین کی زندگی گزاریں۔ ہمارے حضرت، محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم بھی اصلاحِ معاملات اور حسنِ معاشرت پر بہت زور دیتے ہیں۔ آپ اپنے مریدین کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً ایسے (Key Points) بنیادی اصول بیان کرتے رہتے ہیں جن پر عمل کرنے سے آدمی جھگڑوں سے پاک خوشیوں بھری زندگی گزار سکتا ہے۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم ہر سال لوساکا (افریقہ) میں اعتکاف فرماتے ہیں، جہاں دن میں ایک نشست خواتین کے لیے مختص ہوتی ہے۔ اس میں عموماً اصلاحی موضوعات پر ہی بات ہوتی ہے۔ گزشتہ سال رمضان ۱۴۲۸ھ (2007ء) میں حضرت اقدس دامت برکاتہم نے گھر کے جھگڑوں کو اپنا موضوع بنایا اور روزانہ دوپہر کو اس پر ایک بیان فرمایا۔ حضرت کی باریک بین نظر نے بہت سے ایسے پہلوؤں

کی نشاندہی فرمائی جو گھر کی زندگی میں جھگڑا و فساد کا باعث بنتے ہیں، پھر بڑے حکیمانہ انداز میں مثبت طرز عمل کی رہنمائی بھی فرمائی۔ ہر سننے والے کو یوں لگتا تھا جیسے ہمارے ہی گھر کی بات چل رہی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بیانات ایک آئینہ بھی ہیں اور ایک علاج بھی۔ عاجز نے بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے ان کو کتاب کی صورت میں مرتب کیا اور حضرت دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کا عنوان ''گھریلو جھگڑوں سے نجات'' تجویز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام الناس سے کے لیے نافع اور ہمارے صدقہ جاریہ بنائے......آمین ثم آمین۔

دعاؤں کا طالب

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

خادم معہد الفقیر الاسلامی

بائی پاس ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بچوں کے جھگڑے

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

بچوں کے جھگڑے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ہماری معاشرتی زندگی:

انسان فطری طور پر مل جل کر رہنے کا عادی ہے۔ اللہ رب العزت نے اسے سوچنے کے لئے دماغ دیا، محسوس کرنے کے لئے دل عطا کیا، تو یہ جذبات، احساسات رکھنے والا انسان اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ماں خود تو کھا لے جبکہ اس کا بچہ اس کی آنکھوں کے سامنے بھوک سے تڑپتا رہے! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیٹی بیمار ہو اور باپ اس کے علاج معالجے کے لئے توجہ ہی نہ دے۔ اسی لئے انسان ایک معاشرے میں رہنا پسند کرتا ہے، اس کو گھریلو زندگی کہتے ہیں۔ ایک انسان کے بیوی، بچے، یہ سب مل کر ایک گھرانہ بنتے ہیں، پھر کئی گھرانے مل کر ایک خاندان بنتا ہے۔ کئی خاندان مل کر ایک معاشرہ بنتا ہے۔ شہر آباد ہوتے ہیں، ملک آباد ہوتے ہیں۔ اسی طرح آج دنیا آباد ہے تو اس طرح مل جل کر رہنے کو معاشرتی زندگی کہتے ہیں۔

فساد اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے:

لیکن اس میں ایک چیز دیکھی گئی ہے کہ جس طرح برتن اکٹھے رہیں تو کھٹکتے ہیں، انسان جب مل جل کر رہتے ہیں تو ان کو بسا اوقات ایک دوسرے کے ساتھ رنجشیں ہو جاتیں ہیں۔ کبھی انسان Over Expect (زیادہ توقع) کر لیتا ہے، دوسرا بندہ اس کو پورا نہیں کر سکتا تو اس پر رنجش ہو جاتی ہے۔ کبھی دوسرے کے کسی Behaviour (رویہ) کی وجہ سے انسان کا دل ٹوٹتا ہے۔ تو کسی نہ کسی طرح آپس میں الجھاؤ رہتا ہے۔ شیطان اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتا ہے اور پھر دلوں کے اندر ایک دوسرے کے خلاف نفرتیں اور کدورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی تو آپس میں سرد جنگ شروع ہو جاتی ہے اور کبھی گرم جنگ شروع ہو جاتی ہے، اس کا نام فساد ہے۔ اور قرآن مجید میں آیا ہے کہ

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾

[کہ اللہ رب العزت فساد کو پسند نہیں کرتے]

آج فساد عام ہے:

آج کون سا گھر ہے جہاں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رنجشیں نہ ہوں۔ کہیں بہن بھائی میں رنجشیں، کہیں اولاد اور ماں باپ کے درمیان رنجشیں، کہیں آپس میں میاں بیوی کے درمیان لڑائیاں، کہیں ساس بہو کے جھگڑے اور کہیں پر پڑوسی اور پڑوسی کے جھگڑے۔ اور دفتروں کی حالت تو بتانے کے قابل ہی نہیں، جہاں چند بندے مل کر رہتے ہیں کام کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ حسد کی انتہا ہوتی ہے۔ Professional Jalousy (پیشہ ورانہ حسد) اس قدر ہوتا ہے کہ جس کو اللہ عزت دیتا ہے، بڑھاتا ہے، دوسرے مل کر اس کی ٹانگیں کھینچتے ہیں۔ دفتروں کا زیادہ وقت

ایک دوسرے کے خلاف پلاننگ کرنے میں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں اور ایک دوسرے کو رسوا کرنے میں یا غیبت کرنے میں گزر جاتا ہے۔ ایک مسلمان معاشرے میں یہ چیزیں انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔

بیانات سے استفادے کا طریقہ:

شروع میں اس عاجز کا ارادہ تھا کہ اس دفعہ رمضان کی محفلوں میں لقمان علیہ السلام کی جو نصیحتیں ہیں ان میں سے کچھ نصیحتیں بیان کر دی جائیں مگر اللہ رب العزت کی شان دیکھئے کہ سفر کر کے جب یہاں پہنچا، اللہ رب العزت نے دل میں یہ بات ڈالی کہ مقصود تو بیانات سے اصلاح ہے تو اس دفعہ یہ بات زیرِ بیان رکھی جائے کہ آپس کے جھگڑے ہم کیسے ختم کر سکتے ہیں؟ چنانچہ اس رمضان میں جتنے بھی مستورات کے بیان ہوں گے بنیادی طور پر ان کا محور یہی ہوگا کہ جھگڑا اور فساد کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ اس کے مختلف حصے بنے ہوئے ہیں، جیسے آج کے بیان میں بچوں کے جھگڑے، اسی طرح بڑوں کے جھگڑے، پھر گھر کے جھگڑے، ازدواجی زندگی کے جھگڑے، ساس بہو کے جھگڑے، پڑوسی کے جھگڑے۔ تو یہ عنوانات بڑھتے چلے جائیں گے اور مضمون خود بخود پھیلتا چلا جائے گا، اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ وہ موقع محل کے مطابق صحیح باتیں دل میں ڈالے کیونکہ اس عنوان پر عام طور پر مواد بھی بہت کم ملتا ہے۔

عزیز بچیوں سے گزارش ہے کہ وہ ان باتوں کے نوٹس بنائیں، انہیں یاد رکھیں اور یہ نیت لے کر بیٹھیں کہ ہم نے ایسی زندگی حاصل کرنی ہے جس میں جھگڑا فساد نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ جب ان کا اپنا ذہن بنے گا تو یہ کل بچوں کی تربیت بھی اسی طرح سے کر سکیں گی تو اس لحاظ سے یہ عنوانات بہت اہم ہیں۔ اللہ رب العزت ان کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بچوں کی نفسیات:

بچے کی نفسیات کو سمجھنا بہت ضروری ہے جس سے یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ بچوں کے جھگڑوں کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔ سائنس کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے۔Birth Order ''برتھ آرڈر''۔ اس میں ماہر نفسیات سائنس دانوں نے یہ لکھا ہے کہ بچے گھر میں جس پوزیشن پر پیدا ہوتے ہیں، فطری طور پر ان میں کچھ عادتیں اس کے مطابق ہوتی ہیں۔

تین قسم کے بچے:

گھر کے سارے بچے تین حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

بڑا بچہ (Elder)

ایک ہوتا ہے سب سے بڑا بچہ (جس کو ایلڈر Elder کہتے ہیں)۔ عام طور پر اس کی عادتوں میں آپ کو نظم وضبط زیادہ نظر آئے گا، اس کی طبیعت کے اندر احساسِ ذمہ داری زیادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ بچے Dictator (آمر) بھی بن جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر یہ لوگ قانون کے مطابق رہنا اور رکھنا پسند کرتے ہیں۔ فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت ہی ایسے بنائی ہوتی ہے، لہٰذا جو بچہ بھی گھر میں سب سے بڑا ہوگا، آپ اس سے Expect (توقع) کریں کہ یہ بچہ غیر ذمہ دار نہیں ہوسکتا، ہمیشہ ذمہ دار ہوگا۔ مگر ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اس کے اندر پوزیشن (مقام) حاصل کرنے کی بھی طبیعت ہوگی، وہ دوسروں پر رول بھی کرنا چاہتا ہوگا، یہ چاہے گا کہ ہر معاملے میں میری بات مانی جائے، مجھے Follow (پیروی) کیا جائے، مجھے بڑا بنا کے رکھا جائے۔ یہ چیز فطری طور پر اس بچے کے اندر ہوتی ہے۔

منجھلا بچہ (Middle Baby)

ایک ہوتا ہے درمیان والا بچہ، مڈل بے بی۔ یہ بچہ (جس سے کوئی بڑا ہے اور کوئی چھوٹا) یہ فطری طور پر جنگجو (Fighter) بچہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس کو اپنے تحفظ (Servival) کے لئے بڑے سے بھی لڑنا پڑتا ہے چھوٹے سے بھی۔ ورنہ بڑے کو زیادہ اہمیت ملتی ہے یا چھوٹے کو مل جاتی ہے اور درمیان والے عام طور پر نظر انداز (Ignore) ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ بچے نظر انداز ہوتے ہیں، اس لئے طبعًا یہ بچے فائٹر قسم کے بچے ہوتے ہیں، مگر یہ مشکلات کو حل کرنے والے (Problem Solver) بھی ہوتے ہیں چونکہ ان کی بقا کا مسئلہ ہوتا ہے، ان کے سامنے مسئلے آتے ہیں اور یہ ان کو حل (Deal) کرنے کی کوشش کرتے ہیں، (win) جیتنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ان میں مقابلہ کرنے کی صلاحیت (Sence of Competition)، دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

سب سے چھوٹا بچہ:

اور ایک ہوتا ہے گھر کا سب سے چھوٹا بچہ۔ جس کو (Baby of the Family) بھی کہتے ہیں۔ عام طور پر محبتیں بھی اسی کو زیادہ ملتی ہیں، توجہات بھی اسی کو زیادہ ملتی ہیں۔ یہ بچہ عام طور پر شو بوائے بچہ ہوتا ہے لیکن یہ سلیقہ (Manipulation) کا ماسٹر ہوتا ہے، یہ اپنی حرکتوں سے دوسروں کی محبتوں کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

تو گویا کسی کے اگر پانچ بچے ہیں تو جو بڑا بچہ ہے وہ ہے Elder.one (ایلڈر ون) اس کی نفسیات کو اس طرح سے سمجھیں کہ اس کے اندر نظم وضبط ہوگا، سیریس بچہ ہوگا، اس میں احساس ذمہ داری زیادہ ہوگا۔ [illegible] رمیان کے جو تین بچے ہیں، یہ بچے

مڈل بے بیز Midle Babies کہلائیں گے، تینوں کی نفسیات ایک ہی جیسی ہوگی، ان کو اپنے حق کے حصول کیلئے لڑنا پڑے گا، مسائل کو حل کرنا پڑے گا۔ ان کو جینے کے لئے محنت (Struggle) کرنی پڑتی ہے اس لئے ان بچوں میں عام طور پر محنت کی حس ((Sense of struggle) زیادہ ہوتی ہے۔ ایک ہوتا ہے سب سے چھوٹا بچہ، اس کو آپ یونہی سمجھ لیں کہ وہ چونکہ گھر کا محبوب ہوتا ہے، چھوٹی بیٹی ہو یا چھوٹا بیٹا ہو، محبتیں انہیں زیادہ ملتی ہیں، اور عام طور پر ہمارے گھروں کا دستور ہے کہ ماں باپ بھی اسی کے ساتھ رہتے ہیں، وہ پھر اپنی پوزیشن کا ہمیشہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ جو باتیں کہی گئیں ہر بچہ ایسا ہی ہو لیکن جب آپ ایک ہزار بندوں کو دیکھیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ عام طور پر بچوں کا رویہ اس کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ سائنس دانوں نے لاکھوں بچوں کو اس بات پر پرکھا اور انہوں نے نفسیات کے یہ اصول نکالے، اس لئے بچوں کی یہ تین باتیں ہمیشہ ذہن میں رکھا کریں کہ بچے کا پیدائش کا نمبر (Birth Order) کیا ہے، اسی لحاظ سے ان سے کچھ باتوں کی توقع رکھنی چاہیے اور پھر اس کے مطابق اس کو ڈیل کرنا چاہیے۔ یہ ایک جنرل بات آپ کو اس لئے کہہ دی کہ آپ کے ذہن میں رہے کہ بچوں کو ڈیل کرتے ہوئے آپ کو پتہ ہو کہ آپ کس بچے سے ڈیل کر رہی ہیں؟ اس کے مسائل (Problems) کس طرح کے ہو سکتے ہیں اور آپ نے اس کے مسئلے کو کس طرح حل کرنا ہے۔

بچے کچے ہوتے ہیں:

ایک بنیادی بات یہ ہے کہ بچے کچے ہوتے ہیں، ان کے دماغ ابھی پختہ نہیں ہوتے، ان کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا ہے، چھوٹی عمر ہوتی ہے تو اپنے کچے ذہن کی وجہ سے وہ بچوں والی باتیں کرتے ہیں، تو بچے سے بچوں والی باتوں کی ہی توقع رکھنی چاہیے۔ لہٰذا ماؤں اور بہنوں کو چاہیے کہ بچے سے بڑوں والی باتوں کی توقع مت

کریں۔ بچہ جب بچپن کی عمر میں ہے، ذہن کچا ہے، تجربہ نہیں ہے، تو وہ بچگانہ باتیں اور حرکتیں تو کرے گا۔ لہٰذا Expactation (توقعات) کا لیول بھی اسی طرح رکھنا چاہیے۔

بچپن تو بچپن ہی ہوتا ہے، بڑے بڑے اولیاء کا بچپن بھی اسی طرح گزرا کہ انہوں نے بچپن میں ایسے ہی بچگانہ فطرت والے کچے کام کیے جو عام طور پر بچے کرتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کے بچپن کا ایک واقعہ:

نبی علیہ السلام کے بچپن کے واقعات مؤرخین نے بہت تھوڑے لکھے ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آپ کی جوانی کے واقعات دیکھیں تو وہ اگر ننانوے فیصد ہیں تو بچپن کے واقعات ایک فیصد بھی نہیں ملتے۔ وجہ یہ تھی کہ کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ بچہ جو آج گودوں میں پل رہا ہے، اس نے بڑے ہوکر پوری دنیا کا معلم بننا ہے اور اللہ رب العزت کا محبوب ہونا ہے۔ اس لئے بچپن کے واقعات کتابوں میں اتنے زیادہ نہیں قلمبند کئے گئے۔ چند ایک واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات تو نبی علیہ السلام نے خود ہی بتلا دیئے۔

عام طور پر بچے کی عادت ہوتی ہے کہ اس کے جب دانت نکل رہے ہوں تو کوئی چیز بھی اس کے منہ میں ڈالو تو وہ اس کو کاٹتا ہے۔ ہر بچے کی عمر میں ایک خاص حصہ ایسا آتا ہے کہ اسے چیز کو چبانے کی عادت ہو جاتی ہے۔ آپ انگلی دیں تو انگلی کو کاٹے گا، اپنی ہتھیلی دیں تو ہتھیلی کو کاٹے گا، یہ بچے کی فطرت ہے۔

غالباً ایسی ہی عمر ہوگی کہ جس میں انسان کے دانت نکلتے ہیں اور اس کو کاٹنے میں مزہ بھی آتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی رضاعی بہن ''شیما'' نے آپ کو اٹھایا اور آپ کو کندھے سے لگایا تو نبی علیہ السلام نے کندھے پر دندان مبارک سے کاٹا۔ یہ اتنا زیادہ

تھا کہ اس کے نشان پڑ گئے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ نشان ان کے رہا۔ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں ان کے قبیلہ کے لوگوں کو گرفتار کر کے لایا گیا، شیما اس وقت بوڑھی ہو چکی تھیں، وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے آ کر بتایا کہ میں آپ کی بہن ہوں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اپنے باپ کا ایک ہی بیٹا ہوں، آپ میری بہن کیسے؟ اس نے بتایا کہ میں حلیمہ کی بیٹی، آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ نشانی کے طور پر اس نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا تو آپ نے مجھے کاٹا تھا اور میرے جسم پر وہ نشان آج بھی موجود ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس نشان کو دیکھا تو آپ کو بھی یاد آ گیا کہ ہاں بچپن میں ایسا معاملہ پیش آیا تھا۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے اپنی چادر بچھائی اور اپنی بہن کو اس چادر پر بٹھایا۔ دیکھیں کہ آپ ﷺ مستقبل کے معلم انسانیت تھے لیکن آپ ﷺ سے بھی بچپن میں بچگانہ فطرت کا اظہار ہو رہا ہے۔

اس لیے والدین کو چاہیے کہ بچوں سے بچپن والی باتوں کی ہی توقع رکھیں کہ بچپن کی عمر ہے، ذہن کچا ہے، تجربہ نہیں ہے، تو وہ اس قسم کی باتیں اور حرکتیں کرے گا۔ نہ کرے تو اسے بچہ کون کہے

بچہ یا بوڑھا:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا ''غلام علی کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا''۔ حضرت شاہ صاحب اپنے گھر گئے اور بچے کو حضرت کی خدمت میں لانے کے لئے تیار کیا۔ کافی دیر اسے سمجھاتے رہے کہ حضرتؒ کی خدمت میں ایسے بیٹھنا اور ایسے کرنا۔ ایسے نہ کرنا''۔ بچہ جب اچھی طرح معاملہ سمجھ گیا تو اگلے دن حضرت شاہ صاحب اسے حضرتؒ کی خدمت میں لائے۔ بچے نے سلام کیا اور باادب ایک طرف بیٹھ گیا۔ کچھ دیر گزری تو حضرتؒ

نے فرمایا ''غلام علی ہم نے تو کہا تھا کہ کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا''۔ حضرت شاہ صاحب نے عرض کیا ''حضرت بچے کو تو لے آیا ہوں''۔ حضرتؒ نے فرمایا ''یہ کوئی بچہ ہے یہ تو بوڑھا معلوم ہوتا ہے''۔ یعنی بچہ تو اس وقت اچھا لگتا ہے جب بچوں والی باتیں کرے، اچھل کود کرے، آپ نے بچے کو بوڑھا بنا کر بٹھا دیا، وہ لگتا ہی نہیں کہ بچہ ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے کچھ واقعات:

☆ ...... دیکھئے! حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بات خود بتلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے سونے کی انگوٹھی پہنا دی، میں وہ انگوٹھی پہن کر باہر گلی میں نکلا تو ایک ٹھگ مل گیا، اس ٹھگ کے پاس گڑ کی ڈلی تھی، اس نے مجھے اٹھا کر پیار کیا اور مجھے کہنے لگا کہ تم اپنی انگوٹھی کو چکھو! میں نے انگوٹھی کو زبان سے لگایا تو بے ذائقہ تھی۔ پھر اس کے بعد اس نے گڑ کی ڈلی دی کہ اس کو چکھو! جب میں نے گڑ کو چکھا تو بڑا مزیدار تھا، کہنے لگا کہ مزیدار چیز لے لو اور بے مزہ چیز دے دو۔ کہنے لگے کہ مجھے گڑ کا اتنا مزہ آیا کہ میں نے اسے انگوٹھی اتار نے دی اور گڑ کی ڈلی لے کر گھر واپس آ گیا۔ اب بچے تھے، کچے تھے، گڑ کی ڈلی کے بدلے سونے کی انگوٹھی دے کر آ گئے۔ تو اس عمر میں انسان غلطیاں بھی کرتا ہے اور سیکھتا بھی ہے۔

☆ ...... فرماتے ہیں: کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ میلہ دیکھنے گیا، والد نے کہا کہ بیٹا! مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑنا، بھیڑ زیادہ ہے، چھوڑنا نہیں، میں نے کہا، بہت اچھا۔ اب میں چل بھی رہا تھا، اِدھر اُدھر بھی دیکھ رہا تھا، اِدھر اُدھر کی چیزیں دیکھنے میں ایسا محو ہوا کہ ہاتھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد بہت دیر والد مجھے ڈھونڈتے رہے، میں والد صاحب کو ڈھونڈتا رہا، کافی دیر کے بعد اور پریشانی اٹھانے کے بعد والد صاحب نے مجھے ڈھونڈ لیا۔ جب انہوں نے مجھے ڈھونڈا تو مجھے کہا کہ تمہیں میں نے کہا تھا کہ

ہاتھ پکڑے رکھنا، تم نے کیوں چھوڑا؟ تو میں نے پھر ان کو کہا کہ میں کسی چیز کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا، توجہ نہ رہی، تو والد صاحب نے میرے کان کھینچے اور کان کھینچ کر کہا کہ دیکھو بچے! جس طرح تم نے اپنے بڑے کا ہاتھ مضبوطی سے نہ پکڑا تو دنیا کے میلے میں گم ہو گئے، اسی طرح تم بڑے ہو کر اگر اپنے بڑوں کا ہاتھ مضبوطی سے نہیں پکڑو گے تو پھر دنیا کے میلے میں گم ہو جاؤ گے۔ کہنے لگے کہ بچپن کی والد صاحب کی بتائی ہوئی یہ بات مجھے آج بھی یاد آتی ہے کہ واقعی جو اپنے بڑوں کا ساتھ چھوڑ بیٹھتا ہے وہ پھر دنیا کی جھلملاہٹ کے اندر گم ہی ہو جایا کرتا ہے۔

☆ ...... فرماتے ہیں: میں چھوٹا سا تھا، اپنے والد کے ساتھ تہجد میں اٹھ جایا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے تہجد پڑھی تو گھر کے کچھ لوگ سوئے ہوئے تھے، میں نے ابو سے کہا: ابو! دیکھو یہ لوگ سوئے پڑے ہیں، اٹھ کر تہجد نہیں پڑھتے، تو والد صاحب نے کہا کہ بیٹا: تم اگر سوئے رہتے تو زیادہ بہتر تھا، اس لئے کہ اب جو تم نے یہ بات کی، یہ غیبت میں داخل ہے، ان کو سونے پر اتنا گناہ نہیں ہوگا، جتنا تمہیں غیبت کے کرنے پر گناہ ہوا۔ تو دیکھیے! کس طرح بچہ باتیں کر رہا ہے اور عقل مند باپ اس بچے کو ساتھ ساتھ تعلیم بھی دے رہا ہے، اس کی تربیت بھی کر رہا ہے۔

☆ ...... یہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے استاد کے شاگرد بنے (جن کا نام تھا "ابن جوزیؒ" جنہوں نے تلبیس ابلیس لکھی) تو فرماتے ہیں کہ میں شافعی مذہب پہ تھا اور استاد مجھے اس کے مطابق تعلیم دے رہے تھے۔ ایک دن استاد نے مجھے پڑھایا کہ روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہیے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزے میں مسواک کا کرنا جائز ہے، مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس میں بہت احتیاط برتتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں جب اللہ کو روزے دار کے منہ کی مہک ہی اچھی لگتی ہے تو مسواک کیا کرنی؟ بہر حال ان کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ کہنے لگے کہ میں نے جب یہ پڑھا تو

میں نے گھر آ کر اپنے والد سے کہا: ابو! روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہیے۔ جب میں نے یہ بتایا تو میرے والد نے کہا کہ بیٹے! تم روزے میں مسواک نہ کرنے کی تو اتنی احتیاط کر رہے ہو اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تم نے بات کی تھی، وہ غیبت تھی اور تم نے گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا لیا، تو کیا روزے میں یہ گوشت کھانا تمہارے لیے جائز تھا؟ کہنے لگے: تب مجھے سمجھ میں آئی کہ واقعی روزے کی حالت میں غیبت سے بہت بچنا چاہیے۔

اصلاح ہونی چاہیے:

تو یہ میں مثال اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آپ کو یہ پتہ رہے کہ جو اہلِ علم ہوتے ہیں، مرد ہوں یا عورتیں ہوں، وہ بھی اپنے گھر کے بچوں سے باتیں کرتے ہیں۔ مگر وہ بات بات پر ان کو سمجھاتے بھی رہتے ہیں۔ اور اسی طرح بچے (ماشاءاللہ) پلتے رہتے ہیں اور ساتھ سنورتے بھی رہتے ہیں۔ اور جن والدین کو علم نہیں ہوتا، یا تو وہ غلطیوں پہ بھی درگزر کر دیں گے، پیار کر لیں گے اور یا پھر انسان کو چھوٹی چھوٹی بات پر، جائز سوال پر بھی ڈانٹ کر چپ کروالیں گی۔ یہ دونوں چیزیں غلط ہوتی ہیں۔ بچے کچے ہوتے ہیں، ایسے کام کرتے ہیں، ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں، مگر ان کو طریقے سے سمجھانا چاہیے اور ان سے ایکسپکٹ کرنا چاہیے کہ یہ شرارتیں بھی کریں گے، اور کچھ اور اس قسم کے کام بھی کریں گے۔

چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں، ایک دفعہ انہوں نے مجھے بڑا خوبصورت تکیہ بنا کر دیا۔ مجھے وہ تکیہ بڑا اچھا لگتا، میں اسے سر کے نیچے رکھنے کی بجائے سینے پر رکھ لیتا، ایک دن میرے والد صاحب نے تکیہ مانگا تو میں نے پوچھا کہ کونسا تکیہ لاؤں؟ اپنے والا یا دوسرا۔ والد صاحب نے مجھے بلایا اور زوردار تھپڑ رسید کیا، فرمایا "تو نے کمائی کی ہے

جو اپنا تکیہ کہتے ہو" حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کے بعد دنیا کی کوئی چیز مجھے اچھی نہیں لگتی تھی۔

صاحبزادگی

بعض اوقات جو بڑے علماء یا مشائخ کے بچے ہوتے ہیں، جو صاحبزادے ہوتے ہیں، ان میں تھوڑی انا پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مولانا صاحب کا ہر معتقد آ کر اس سے لاڈ کرتا ہے۔ کوئی اسے اٹھا رہا ہے، کوئی چیزیں لا کر دے رہا ہے، کوئی گھومانے پھرانے لے جا رہا ہے، تو اس ناز برداری کی وجہ بچے میں کچھ جاہ طلبی اور خود غرضی، کام چوری یا اس طرح کی چیزیں آ جاتی ہیں جس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔ ظاہر ہے جب مزاج بگڑ جائے تو پھر بات بات پر جھگڑا ہوتا ہے، کبھی دوسرے بچوں کے ساتھ پھڈا کبھی اپنے بڑوں کے ساتھ ضد۔ لہٰذا علماء اور مقتداء حضرات کو اپنے بچوں پر اس حوالے سے خاص طور پر نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد ان کو بچپن میں بعض اوقات مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ صاحبزادگی کا سؤر بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ تو ہمارے اکابر یوں اپنے بچوں کو بچپن سے ہی سبق سکھایا کرتے تھے۔

بچے گھر کے ماحول کے مطابق کھیلتے ہیں:

بچے جو کچھ کھیلتے ہیں تو وہ بھی اپنے گھر کے ماحول کے مطابق ہی کھیلتے ہیں۔ وہ اپنے بڑوں کو جو کرتے دیکھتے ہیں پھر وہی ان کا کھیل بن جاتا ہے۔ اسی لیے ہر گھر کا بچہ، اپنے گھر والوں کے ماحول اور مزاج کے مطابق ڈھلتا ہے۔

مولانا طلحہ رحمۃ اللہ علیہ خود ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں چھوٹا سا تھا، گلی میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک بچے کو بیعت کر رہا تھا، اسلئے کہ میں نے اپنے والد کو بیعت کرتے دیکھا تھا۔

اب میں چھوٹا سا! اور ایک بچے کو بیعت کے کلمات پڑھا رہا تھا، اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ اللہ کی شان کہ ادھر سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے، انہوں نے مجھے آکر دیکھا تو چونکہ شفقت بہت تھی، شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت زیادہ گہرا تعلق تھا۔ مجھے دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ صاحبزادے صاحب! ہمیں بھی بیعت کرلو۔ کہنے لگے میں نے کہا: آئیں بیٹھ جائیں! مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟ تو میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے اور میں نے کچھ کلمات پڑھ کر کہا کہ اچھا! میں نے آپ کو بھی بیعت کرلیا۔ تو دیکھو! بچہ ہے، لیکن وہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت کر رہا ہے۔ بچے اسی طرح کے کام کرتے ہیں۔

حضرت مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن واقعات:

☆......مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا تو گھر میں والد صاحب کا عمامہ پڑا ہوتا تھا، میں کیا کرتا! اپنی بہنوں کو اکٹھا کرلیتا اور اپنے سر پہ اپنے والد کا عمامہ رکھتا اور بڑی شان سے اکڑ کے چلتا اور میں بہنوں کو کہتا: ''ہٹو! راستہ دو، دہلی کے مولانا آرہے ہیں'' اس لئے کہ بچپن میں میں نے سنا ہوا تھا کہ دہلی میں کوئی بڑے مولانا رہتے ہیں۔ اور پھر میں اپنی بہنوں کو کہتا کہ تم لوگ میرا استقبال کرو اور استقبال میں تم نعرے لگاؤ! اب بہنیں کہتیں کہ ہم کیوں نعرے لگائیں؟ اس لئے کہ مولانا جو آرہے ہیں، تو وہ کہتیں کہ نہیں مولانا کے استقبال کے لئے تو ہزاروں لوگ ہوتے ہیں، ہم تو دو ہیں، تو وہ کہتے کہ نہیں تم یونہی سمجھ لو کہ تم ہزاروں ہو اور میرا استقبال کر رہے ہو، لہٰذا تم نعرے لگاؤ! اب چھوٹا سا بچہ! دیکھو! اپنی بہنوں کے ساتھ کس طرح اس بات پر کھیل رہا ہے۔

☆......ان کی ایک بڑی بہن تھی، ایک مرتبہ اس نے بچپن میں ان کو کوئی کام کہا، انہوں نے نہ کیا، ضد کر گئے۔ تو بڑی بہن خفا ہوئی اور اس نے اپنے والد کو کہا کہ ابو! یہ

ہمارے بچے تو بالکل سڑے ہوئے انڈوں کی طرح ہیں ، جب بہن نے کہا کہ یہ تو سڑے ہوئے انڈوں کی طرح ہیں تو انہوں نے اسی وقت اپنے منہ سے ''چوں چوں'' کی آواز نکالنی شروع کر دی اور کہا کہ اگر انڈے سڑے ہوئے ہوتے تو اس میں سے یہ مرغی کے بچے کیسے نکلتے ؟ اب چھوٹا بچہ ہے، دیکھو! وہ اپنی بہن کی بات پر کیا ردعمل دکھا رہا ہے؟

خلاف توقع ردعمل:

ہاں کئی مرتبہ وہ ایسے React (ردعمل ظاہر) کرتے ہیں کہ بندے کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ مسئلہ کیا ہے؟ اسلیے کہ کبھی وہ سہم جاتے ہیں، کبھی وہ خوف زدہ ہو جاتے ہیں، کبھی وہ ہمت گرا بیٹھتے ہیں، تو اس صورت میں بڑوں کو تھوڑی حکمت اور دانشمندی سے ان کو ڈیل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ جب میں تھوڑا سا بڑا ہوا تو میرے گھر میں قرآن مجید شروع کرنے کی تقریب ہوئی، اس زمانے میں اس کو ''رسم بسم اللہ'' کہا جاتا تھا اور یہ دو رسمیں بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں : ایک ''رسم بسم اللہ'' قرآن مجید شروع کروانے سے پہلے اور ایک ''رسم آمین''۔ جب قرآن مجید ختم ہوا کرتا تھا، اس زمانے کی یہ تقریبات ہوا کرتی تھیں۔ کہنے لگے کہ امی نے مجھے نہلایا، بہن نے مجھے اچھے کپڑے پہنائے، خوشبو لگائی، خوب سجا دیا گیا، گھر کے اندر رشتہ داروں کو بلایا گیا، سب نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، مٹھائی کا انتظام کیا ہوا ہے، حتیٰ کہ ایک قاری صاحب کو بھی بلا لیا گیا، جنہوں نے آ کر مجھے بسم اللہ پڑھانی تھی۔ اب جب سارے لوگ خوشیوں کے ساتھ اکٹھے میری طرف متوجہ ہوئے، حتیٰ کہ گھر کی عورتیں وہ بھی پردے کے پیچھے لگ گئیں اور خوش ہو رہی ہیں کہ بچہ آج اللہ کا قرآن شروع کرے گا۔ چنانچہ قاری صاحب نے مجھے کہا کہ بچے!

پڑھو! بسم اللہ، کہنے لگے: مجھے ایسی چپ لگ گئی کہ میں نے کچھ بھی نہ پڑھا۔ بار بار قاری صاحب کہہ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ مجھے والد صاحب نے کہا، دوسروں نے کہا، مگر ماحول کچھ ایسا تھا کہ مجھے چپ ہی لگ گئی اور میں بولنے پر آمادہ ہی نہ ہوا۔ بہت سمجھایا گیا حتیٰ کہ دس پندرہ منٹ خوب منتیں کی گئیں لیکن میں نہ بولا، چپ لگی ہوئی تھی حتیٰ کہ لوگ اٹھ گئے کہ چلو جی اگر نہیں پڑھتے تو کوئی بات نہیں۔ عورتوں کے دلوں کے اندر بھی اداسی آ گئی کہ بچے نے اس موقع پر نہیں پڑھا، والد کو غصہ آیا تو والد نے مجھے پھر ایک تھپڑ بھی لگا دیا، جب سب تجھے کہہ رہے ہیں کہ پڑھو تو پڑھ کیوں نہیں رہے؟ کہنے لگے، میں نے تھپڑ بھی کھالیا اور آنسو بھی بہالیے، پڑھا پھر بھی نہیں۔

خیر کیا ہوا کہ میرے ایک قریبی رشتے دار تھے جو بڑے ہی سمجھ دار تھے، انہوں نے مجھے اٹھالیا اور کہا کہ کیوں روتے ہو؟ کوئی بات نہیں، رو نہیں۔ وہ مجھے اٹھانے کے بعد تھوڑا اِدھر اُدھر لے گئے، مجھ سے باتیں کرتے رہے، باتیں کرنے کے بعد مجھے کہنے لگے: ارے میاں! تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں کہ تم دو لفظ پڑھ دو، کیا تمہیں لوگ بے وقوف کہیں تو یہ تمہیں اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: نہیں، میں تو بے وقوف نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر تمہیں لوگ گندہ بچہ کہیں تو اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: نہیں، میں گندہ بچہ تو نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ گندے بچے نہیں ہو تو پھر ان کو پڑھ کر سنا دو! کہ تم بسم اللہ پڑھنا جانتے ہو۔ کہنے لگے: جب انہوں نے مجھے اس طرح Properly (صحیح انداز میں) ڈیل کیا، تو میں نے اتنے زور سے بسم اللہ پڑھی کہ قاری صاحب تو کیا، گھر میں بیٹھنے والی عورتوں نے بھی بسم اللہ کی آواز سنی۔

تو اب دیکھئے! کہ ہے تو بچہ، لیکن اگر اس کو تھپڑ مارا تو چپ لگی ہوئی تھی اور پیار کے ساتھ اس کو ڈیل کیا تو اس نے اتنا اونچا پڑھا کہ دیوار کے پار بھی اس کی آوازیں جانے لگ گئیں۔ تو یہ بچے عام طور پر ایسے ہی کرتے ہیں۔ اگر آپ نے بچے کو کوئی

بات کہی، اس نے نہ کر دی، ماننے پہ تیار ہی نہیں، غصہ مت کریں، آپ اس کا تھوڑا سا ماحول بدل دیں، بات بدل دیں۔ اور بات بدلنے کے تھوڑی دیر بعد آپ جب پھر وہی بات کہیں گی تو وہ فوراً کر لے گا۔ بچے کی اللہ نے میموری بہت شارٹ بنائی ہوتی ہے۔ اس شارٹ میموری کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اور اس سے ڈیل کرنا بندے کو آنا چاہیے۔

چھوٹے بچوں کی سمجھ چھوٹی ہوتی ہے:

کہنے لگے کہ میں چھوٹا تھا تو ایک دن امی ابو آپس میں بیٹھے بات کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ قیامت کا دن ہوگا، بہت گرمی ہوگی اور سورج تو سوا نیزے پہ ہوگا اور پسینہ ہوگا اور بہت مشکل ہوگی۔ تو ساری باتیں سن کے میں ہنس پڑا، تو امی نے کہا کہ بیٹے! ہنس کیوں رہے ہو؟ تو میں نے کہا: امی! جب اتنی زیادہ گرمی ہوگی تو میں گرمی سے بچنے کے لئے کمرے میں چلا جاؤں گا۔ تو کہنے لگے: سارے گھر والے ہنسنے لگے۔ کہ حشر کی گرمی کا تذکرہ اور بچے کا حال دیکھو کہ کہہ رہا ہے: امی! اس گرمی سے بچنے کے لئے میں اس دن کمرے میں چلا جاؤں گا۔ تو بچے کی اتنی ہی سوچ ہوتی ہے اور اتنا ہی اس کا معاملہ ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے گھر میں ایک خادمہ کام کرتی تھی اور اس خادمہ کا نام رحمتی تھا۔ وہ گھر کے کام سمیٹتی تھی، قریب ہی رہتی تھی۔ اس نے ایک بکری بھی پالی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس بکری نے ایک بچہ دیا، چھوٹا سا میمنہ۔ مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے اور جانشین تھے) بچپن کی عمر میں تھے اور وہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں جب وہاں جاتا تھا تو مجھے وہ بکری کا چھوٹا سا بچہ بہت اچھا لگتا تھا۔ تو میں اکثر اس بکری کے ساتھ، اس بکری کے بچے کے ساتھ کھیلتا تھا

تو ایک دفعہ کیا ہوا؟ کہ لوگ آپس میں حج کی باتیں کر رہے تھے کہ ہم نے حج پہ جانا ہے۔ میں ان کی باتیں سنتا رہا، سنتا رہا۔ تو آخیر میں پھر میں نے کہا کہ ہاں میں بھی حج پہ جاؤں گا۔ تو کسی نے پوچھ لیا کہ کیسے حج پر جاؤ گے؟ میں نے کہا: کہ رحمتی کی بکری کا جو چھوٹا بچہ ہے میں اس کی پیٹھ پہ سوار ہو کر حج کے لئے جاؤں گا۔ اب دیکھو! چھوٹا سا بچہ بچپن کی عمر میں یہ جواب دے رہا ہے کہ میں بکری کے بچے کی پیٹھ پر بیٹھ کر حج کروں گا۔ کہنے لگے: یہ بات ایسی مشہور ہوئی کہ مولانا خلیل الرحمن سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کبھی مجھے ملتے تو بچپن میں مجھے دیکھ کر کہتے: ہاں سناؤ بچے! تم حج پہ کیسے جاؤ گے اور میں آگے سے کہہ دیتا کہ بکری کے بچے کی پیٹھ پہ بیٹھ کر حج کروں گا تو حضرت مسکرایا کرتے تھے۔

چھوٹے بچوں کی تمنائیں بھی چھوٹی ہوتی ہیں:

یہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے، انسان کی یہی چھوٹی سی دنیا ہوتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی تمنائیں بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔

☆ ...... حضرت عبدالماجد دریابادیؒ کہتے ہیں: اس بچپن کی عمر میں بس سارا دن مجھے ایک ہی فکر ہوتی تھی کہ شام کو ایک خوانچے والا آتا تھا وہ کبھی گنڈیریاں بیچتا تھا اور کبھی سموسے بیچتا تھا اور اس طرح کی چٹ پٹی چیزیں بیچتا تھا۔ سارا دن بس مجھے اس کی فکر ہوتی تھی کہ کب عصر کا وقت آئے؟ اور وہ خوانچے والا سدا لگائے اور میں امی سے پیسہ لوں اور اس سے جا کر چٹ پٹی چیز لا کر کھاؤں گویا اس وقت بچے کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی بنا ہوا تھا۔

☆ ...... حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش دیوبند میں ہوئی، والدین وہیں رہتے تھے اور وہیں پر میرے لڑکپن کی عمر گزری، پڑھنے کی ابتداء بھی وہیں سے ہوئی۔ فرماتے ہیں: کہ میں اپنے کزن عاقل کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ہم

آپس میں سرکنڈے کھیل رہے تھے یعنی چند سرکنڈے کے چھوٹے سے ٹکڑے تھے ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے تھے: یوں رکھو، یوں پھینکو، تم جیت جاؤ گے، یہ ہار جائے گا۔ کہنے لگے: سرکنڈوں کا کھیل کھیل رہا تھا کہ اس نے سارے ہی سرکنڈے مجھ سے جیت لئے ۔فرماتے ہیں: میں اتنا ڈیپریس ہوا کہ اتنا میرا نقصان ہوگیا۔اب سوچو کہ بچے کی دنیا کیا ہے کہ اگر اس سے کسی نے سرکنڈے جیت لیے تو گویا اس پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا اتنا بڑا خزانہ اس کے ہاتھ سے کسی نے لوٹ لیا۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ اب میں سوچتا ہوں کہ پوری دنیا کی میرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ مگر بچپن میں میرا کیا حال تھا! کہ سرکنڈوں کے چلے جانے پر میں اس قدر پریشان ہوگیا تھا۔تو بچپن میں انسان کی ایسی ہی امنگیں ہوتی ہیں اور تمنائیں ہوتی ہیں۔

عجیب وغریب تحفہ:

بلکہ اکبرالٰہ آبادی بڑے ظریف شاعر گزرے ہیں، مگر بہت تعلیم یافتہ تھے اور اپنے وقت کے جج تھے۔ چنانچہ ان کا بیٹا جب جوان ہوا تو انہوں نے اس کی شادی کی۔اب ولیمہ کی تقریب تھی، اس ولیمہ کی تقریب میں انہوں نے بڑے اچھے طبقے کے لوگوں کو بلایا ہوا تھا: امیر لوگ، پڑھے لکھے لوگ، معاشرے کے ذمہ دار لوگ، بڑے بڑے اس طرح کے جو لوگ تھے، وہ آئے ہوئے تھے۔اور بیٹا بھی (ماشاء اللہ) جوان العمر تھا اور اس وقت اس کی خوشی کی تقریب تھی، تو اس خوشی کی تقریب میں انہوں نے اعلان کیا کہ آج میں اپنے بیٹے کو ایک تحفہ دوں گا۔اب انہوں نے تحفہ ایک کاغذ کے اندر لپیٹا ہوا تھا یعنی گفٹ پیک کروایا ہوا تھا۔کہنے لگے کہ سارا مجمع متوجہ ہوگیا۔ بیٹے کی شادی ہے، ولیمہ کی تقریب ہے، باپ اتنا معزز آدمی ہے اور وہ اپنے بیٹے کو ولیمہ کے اوپر ایک تحفہ پیش کررہا ہے۔تو لوگ سمجھتے تھے پتہ نہیں کہ سونے کا بنا

ہوگا؟ کوئی ڈائمنڈ ہوگا یا کوئی قیمتی گھڑی ہوگی، کیا چیز ہوگی؟ کہنے لگے کہ سب لوگوں نے دلچسپی لی کہ آخر اس گفٹ پیک کے اندر چھپا ہوا کیا ہے؟ کہنے لگے کہ جب والد صاحب نے مجھے کہا: بیٹے! اس گفٹ پیک کو کھولو! میں نے اسے کھولنا شروع کیا تو ایک تہہ تھی، پھر اس کے اندر دوسری تہہ، پھر اس کے اندر تیسری تہہ، اب میں کھولتا جا رہا ہوں اور لوگوں کا تجسس بڑھتا جا رہا ہے، خود میرا تجسس بھی بڑھ گیا کہ ابو مجھے اس موقع پر کیا چیز دے رہے ہیں؟ کہنے لگے: کہ جب میں نے آخر میں آخری تہہ اتاری تو اندر ایک بچوں کے کھیلنے کا چھوٹا سا کھلونا تھا، جب وہ کھلونا نکلا تو سارا مجمع ہنسنے لگا۔ میں تھوڑا سا شرمندہ بھی ہوا کہ میری ولیمہ کی تقریب تھی اور والد صاحب نے مجھے یہ کھلونا دینا تھا اور لوگوں کے سامنے میری جگ ہنسائی ہونی تھی، میں ذرا خاموش ہو گیا۔ خیر لوگ تو ہنسے، مسکرائے، انجوائے کیا اور چلے گئے۔

چند دن کے بعد ابو سے میری بات ہو رہی تھی۔ میں نے کہا: ابو! آپ نے میرے ساتھ ٹھیک نہیں کیا...... کیوں بیٹے؟ اس لئے کہ آپ نے مجھے اتنے بڑے مجمع کے سامنے مذاق بنا دیا۔ سارے مجھ پر ہنسنے لگے کہ مجھے آپ نے اس تقریب کی خوشی میں یہ چھوٹا سا کھلونا دیا۔ تو اس وقت والد نے بات سمجھائی کہ دیکھو بیٹا! میں تمہیں ایک میسج دینا چاہتا تھا، ایک پیغام سمجھانا چاہتا تھا۔ بچپن میں ایک مرتبہ میرے پاس پیسے نہیں تھے اور تم نے اسی کھلونے کا مجھ سے مطالبہ کیا تھا، جو میں خرید نہ سکا۔ تو آپ اتنا روئے، اتنا خفا ہوئے کہ ایک ہفتہ مجھ سے بولے بھی نہیں کہ مجھے کھلونا کیوں نہیں لے کر دیا؟ اس کھلونے کی آپ کو اتنی چاہت تھی کہ اپنے والد سے ایک ہفتہ کلام تک نہ کیا۔ میں نے یہ سوچا کہ آج اس شادی کی خوشی کی تقریب میں، میں یہ کھلونا آپ کو لے کر دوں اور آپ کو یہ سمجھاؤں کہ دیکھو بیٹے! بچپن میں اس کھلونے کو لینا یہ آپ کی آرزو تھی، آپ کی تمنا تھی لیکن جب آپ جوانی میں پہنچے اور بھرے مجمع

میں لوگوں کے سامنے آپ کی تمنا کو پیش کیا، تو آپ کو خود بھی شرمندگی ہوئی کہ کیا اس چیز کے پیچھے میں نے اپنے والد سے منہ موڑ لیا تھا! میں یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ بیٹے! بچپن کی تمنائیں اگر بندے کے سامنے جوانی میں کھولی جائیں، تو بھرے مجمع میں بندے کو شرمندگی ہوتی ہے۔ تم جوانی میں اپنی کوئی ایسی آرزو اور تمنا مت بنانا کہ کل قیامت کے مجمع میں اگر اسے کھول دیا جائے تو تمہیں وہاں جا کر شرمندگی ہو۔ تو دیکھئے! جو اچھے ماں باپ ہوتے ہیں وہ بچوں کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہی اچھی تعلیم دیتے ہیں۔ اور بالآخر ان بچوں کو اچھا انسان بنا دیتے ہیں۔

ذمہ دارانہ طرزِ عمل:

اب دیکھئے! کہ کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں شروع سے ہی احساسِ ذمہ داری ہوتا ہے اور لڑکپن میں ہی وہ بڑے ذمہ دار بن کر رہتے ہیں۔ جیسے حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں میرے گھر کے حالات غریبی کے تھے، مگر میں نے کسی سے ٹوپیاں بنانا سیکھ لیا تھا، جیسے عورتیں قریشیے کے ساتھ بیٹھ کے مختلف چیزیں بناتی رہتی ہیں۔ کہنے لگے کہ بس میں بھی اسی طرح بیٹھ کر وہ ٹوپیاں بناتا رہتا تھا حتیٰ کہ کئی مرتبہ استاد کلاس میں پڑھا رہا ہوتا تھا میں پیچھے بیٹھا ہوتا تھا، سبق بھی سن رہا ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ ٹوپی بھی بنا رہا ہوتا تھا۔ مگر اللہ نے ذہن ایسا دیا تھا کہ ساتھ والے بچے اگر کوئی چیز نہیں سمجھ سکتے تھے تو میں ٹوپی بنانا چھوڑ کر ان کو وہ بات سنا دیتا تھا۔ تو وہ حیران ہوتے تھے کہ تم ٹوپیاں بناتے ہوئے استاد کا درس سنتے ہو اور اتنا تمہیں یاد ہوتا ہے۔ فرماتے کہ میں اس طرح ٹائم بچا کے ٹوپیاں بناتا، ان کو بیچتا اور اس سے جو مجھے تھوڑے سے پیسے ملتے، اس سے میں اپنے مدرسے کا خرچہ چلایا کرتا تھا۔ تو بعض بچے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بچپن میں ان کو اللہ رب العزت احساسِ ذمہ داری دے دیتا ہے۔

خود حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بستی سے جب دارالعلوم میں پڑھنے کے لئے آتا تو سردیوں کی راتوں میں امتحانوں کے قریب ذرا دیر تک پڑھنا ہوتا تھا، تیاری کرنی ہوتی تھی۔ جب میں واپس لوٹ کے آتا تو گھر کے سارے لوگ سوئے ہوتے تھے۔ امی اٹھتی اور اس وقت مجھے کھانا گرم کر کے دیتی تو میں امی کی منت سماجت کرتا کہ آپ کیوں سردیوں میں اٹھتی ہیں؟ بس آپ کھانا رکھ دیا کریں، میں خود ہی آ کے کھالیا کروں گا، بڑی مشکل سے امی کو میں نے منایا۔ فرماتے ہیں کہ میں جب آتا تو سالن جما ہوا ہوتا، میں اس کے اوپر سے جمی ہوئی تہہ ہٹا دیا کرتا تھا اور ٹھنڈا کھانا کھا کر گزارا کر لیتا، لیکن میں اپنی تعلیم میں حرج نہیں آنے دیتا تھا۔ اب دیکھو! جن بچوں کے اندر بچپن، لڑکپن سے یوں علم کا شغف ہو، شوق ہو، طلب ہو، احساسِ ذمہ داری ہو اور وہ علم کی خاطر اس طرح اپنی ضرورتوں کو بھی قربان کریں، یہ وہ بچے ہوتے ہیں جو اپنی جوانی میں آسمان علم پر ستارے بن کر چمکا کرتے ہیں۔ پھر ایک وقت آیا، اللہ رب العزت نے اس بچے کو مفتی اعظم پاکستان بنا دیا۔

اچھی دوستی کے اثرات:

بچپن میں بچے کا ذہن کچا ہوتا ہے۔ ماں باپ کو یہ چاہیے کہ وہ اس بات پر بہت زیادہ توجہ دیں کہ وہ کن کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ اس لئے کہ دوست سے وہ اتنا کچھ سیکھتا ہے کہ جتنا ماں باپ سے نہیں سیکھتا۔ بچی ہے تو سہیلی سے سیکھی گی۔ بچہ ہے تو اپنے دوست سے سیکھے گا۔ اس لئے مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر بچہ بالکل کند ذہن ہو، لیکن دوست اس کا نیک ہو تو اس بچے کی کشتی کبھی نہ کبھی کنارے لگ جائے گی اور بچہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، اگر دوست اس کا برا ہو تو کبھی نہ کبھی اس کی کشتی بیچ دریا میں ڈوب جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کتنی اچھی تربیت کی کہ ان کے بیٹے پھر اپنے وقت کے شیخ الحدیث بنے اور اللہ رب العزت نے ان کو

کیا قبولیتِ عامہ عطا فرمائی!

سعادت آثار بچے:

بعض بچے بچپن میں ہی سعادت کے آثار لے کر آتے ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے تھے، حافظ احمد صاحب۔ اللہ کی شان کہ ان کی شادی ہوئی، ایک بچہ ہوا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا، پھر کچھ عرصہ بچے ہی نہیں ہوئے، امید ہی نہیں لگی۔ سب لوگ فکر مند تھے اور سب چاہتے تھے کہ خاندان قاسمی کا یہ سلسلہ چلتا رہے، علمی گھرانہ اور یہ علمی یادگاریں آگے بڑھتی رہیں، قیامت تک ان کا فیض چلے، سب لوگ دعائیں کرتے تھے، کوئی امید ہی نہیں نظر آتی تھی۔ ایک بزرگ تھے، فتح پور کے رہنے والے، کسی نے ان کی طرف کسی جانے والے آدمی کے ہاتھ پیغام دے کر بھیجا کہ حضرت! حافظ احمد صاحب کے لئے اولاد کی دعا کریں۔ یہ گئے اور انہوں نے جا کر پیغام دیا، وہ بزرگ اس خاندان کی علمی وجاہت اور علمی مقام کو جانتے تھے، انہوں نے جب سنا تو تھوڑی دیر تو خاموش رہے پھر کہنے لگے: ہاں ہاں بچہ ہوگا، حافظ ہوگا، قاری ہوگا، حاجی ہوگا، عالم ہوگا، اپنے وقت کا مقتدا ہوگا، یہ الفاظ کہے۔ اس کے چند دن بعد ان کی اہلیہ کو امید لگ گئی اور اللہ نے ان کو بیٹا دیا، جو بڑا ہو کر حضرت قاری محمد طیب (رحمۃ اللہ علیہ) بنا۔ تو دیکھئے! بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے ہی اللہ ان کو ولایت کا نور عطا فرما دیتا ہے۔ ایسی شخصیت نے پیدا ہونا ہوتا ہے تو بچے کو بہت ساری باتیں بچپن میں پیش آتی ہیں۔

ضد کا علاج کیسے کیا؟

ماں باپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ بچے کو اس عمر میں ڈیل کیسے کرنا ہے۔ حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ والدہ نے دودھ دیا ہم دو بھائیوں کو میرا

بڑا بھائی تھا اور میں تھا، تو میں ضد کرنے لگا کہ پہلے میں پیوں گا۔ چونکہ والدہ نے گلاس بھائی کے ہاتھ میں دیا تھا، اس لیے بھائی نے کہا کہ نہیں پہلے میں نے ہی پینا ہے۔ اب میں جتنا رورہا ہوں ضد کررہا ہوں۔ بھائی کہتا ہے ہرگز نہیں میں پہلے پیوں گا۔ کہنے لگے: جب میں زیادہ رویا دھویا اور اودھم مچایا تو بھائی نے غصے میں آکے اپنا بھی دودھ پیا اور میرے حصے کا بھی دودھ پی لیا اور خالی گلاس ایک طرف کو رکھ دیا کہ اب تمہیں دودھ ملنا ہی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایسا یہ واقعہ میرے ذہن پر نقش ہوا کہ اس کے بعد پوری زندگی میں نے کبھی بھی ضد نہ کی، یہ سوچتے ہوئے کہ ضد کرنے سے تو انسان اپنے حصے سے بھی محروم ہو جایا کرتا ہے۔ تو ایک سبق سیکھا انہوں نے اس بچپن کی زندگی میں۔

تاہم یہ تو جنرل باتیں تھیں۔ جو آپ کو بچوں کے بارے میں بتائیں تاکہ انڈرسٹینڈنگ رہے کہ بچے سے ڈیل کرتے ہوئے ہمیں کیا چیز ذہن میں رکھنی چاہیے؟

جھگڑے کے تین مرحلے:

ہاں! بچوں کے جھگڑے میں یہ بات سمجھیں کہ جھگڑے ہونے کے تین Step (قدم) ہوتے ہیں: پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز بچے کو پسند نہیں آتی وہ اسے Dislike (ناپسند) کرتا ہے۔ پھر دوسرا قدم ہوتا ہے کہ اس ناپسندیدہ چیز یا بات پر اس کو ناراضگی ہو جاتی ہے۔ اور ناراضگی کے بعد تیسرا قدم پھر جھگڑا بنتا ہے۔ یعنی جھگڑا ایک دم نہیں ہو جاتا بلکہ جھگڑے سے پہلے دو Step (قدم) ہوتے ہیں۔

جھگڑوں کی نوعیت:

بچوں کے جھگڑے چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہوتے ہیں، مثلاً کسی نے کھلونا چھین لیا آپس میں جھگڑا ہو گیا، آم گھر میں لگا ہوا تھا، درخت سے نیچے آگرا، ایک نے کہا

میں نے اٹھانا ہے، دوسرے نے کہا میں نے، چلو اس بات پر آپس میں جھگڑا ہو گیا۔

ایک بچہ بڑا تھا ایک چھوٹا، بڑے نے چھوٹے کو منہ چڑا دیا اور اس بات پر آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ دو بچے آپس میں کھیل رہے تھے، کھیلتے ہوئے ایک جیت گیا تو ہارنے والے نے جھگڑا کر دیا، رونا دھونا شروع کر دیا تو بچے کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ چاہتا ہے میری خواہش پوری ہو۔

بچے اپنے جذبات کا اظہار رو کر کرتے ہیں:

یہ بات ذرا توجہ سے سنیں! بچے کی اللہ نے یہ فطرت بنائی ہوتی ہے کہ وہ چاہتا ہے میری بات پوری ہو، اس لئے تو انسان کے نفس کو بچے سے تشبیہ دیتے ہیں کہ نفس بھی یہی چاہتا ہے کہ میری خواہش پوری ہو، ہر بچے کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ میری خواہش پوری ہو، مگر اس کے اظہار میں وہ بچہ بے تکلف ہوتا ہے۔ وہ گہرائی نہیں ہوتی کہ اندر سے اور اور اوپر سے اور، یہ کیفیت اللہ تعالیٰ بڑوں کو دے دیتے ہیں کہ وہ اوپر سے Smiling (مسکراہٹ) اور اندر سے Boiling (ابال) ہوتے ہیں۔ ان کے اندر یہ دورنگی آجاتی ہے۔ اتنی گہرائی آجاتی ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے جذبات کا پتہ نہیں چلنے دیتے کہ اندر کیا ہے؟ بچے، بچے ہوتے ہیں، وہ اپنے جذبات کے اظہار میں بے تکلف ہوتے ہیں۔ کوئی بھی معاملہ ہو، وہ اپنی خوشی کا اظہار بھی بے تکلف کر دیتے ہیں اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی بے تکلف کر دیتے ہیں، اس کو وہ ہولڈ نہیں کر سکتے۔ اور پھر کئی مرتبہ ان کو زبان سے اظہار کرنے کا پورا طریقہ ہی نہیں آتا، الفاظ ہی نہیں آتے تو ان کے پاس ایک رونا دھونا ہی تو ہوتا ہے۔ اس لئے بچے ناپسندیدگی کا اظہار رو دھو کر کیا کرتے ہیں۔

بچے کئی مرتبہ اپنے رونے کو ٹول کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کئی مرتبہ جانور ہوتا ہے، کہ دور سے ہی آواز نکالتا ہے کہ جیسے حملہ کر رہا ہے مگر حملہ نہیں کرنا ہوتا

وہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ Beaware (خبردار) ذرا دور رہو۔ کاش تو اس نے وہ دینی ہوتی ہے مگر کاشن دینے کے لئے وہ کرتا ایسے ہے جیسے حملہ کر رہا ہے اس کو Mock Attack (دکھاوے کا حملہ) کہتے ہیں۔

تو بچے کئی مرتبہ اپنی ماں کو متوجہ کرنے کے لئے دکھاوے کا رونا روتے ہیں۔ تو جو مائیں ذرا سی اوں اوں پر فوراً بھاگی آتی ہیں پھر ان بچوں کو رونے کی عادت بھی پڑ جاتی ہے اور گودوں کا بھی چسکا پڑ جاتا ہے، وہ پھر نیچے اترنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ بچے کا رو پڑنا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہوتی، کئی مرتبہ اس کے رونے کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ بچے کو سمجھانا ہوتا ہے کہ ہر مرتبہ ہر بات پہ رو پڑنا، یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہوتی۔ چنانچہ جن بچوں کو رونے کی عادت پڑ جاتی ہے، وہ ماؤں کے لئے مصیبت بنے رہتے ہیں، ان کو سکھ کا سانس ہی نہیں لینے دیتے۔ تو اس لئے بچوں کے رونے پر کب صحیح ری ایکٹ کرنا ہے اور کب اس کو نارمل لینا ہے؟ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

روتے بچوں کو کیسے ڈیل کریں؟:

لہٰذا ماؤں کی خدمت میں گذارش ہے کہ کھیلنے والے، چھوٹی عمر کے بچے، جب کسی بات پر رونا شروع کر دیں تو آپ فوراً طیش میں مت آ جائیں، آپ فوراً لڑائی کا حصہ نہ بن جائیں، بچے بچے ہیں، ہوسکتا ہے جو چھوٹا بچہ رو رہا ہے ممکن ہے کہ اس رونے کی وجہ بہت ہی معمولی ہو۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بڑا بچہ ہے ایک چھوٹا، اب چھوٹا بڑے کو مارنا چاہتا ہے اور وہ مارنے نہیں دیتا، اس پر چھوٹا رونا شروع کر دیتا ہے۔ اب یہ مظلوم تھوڑا ہے جو رو رہا ہے، نہیں! یہ اس لئے رو رہا ہے کہ یہ بڑی بہن مجھے مارنے نہیں دیتی۔ تو پھر کیا بچے کے رونے پر فوراً آپ غصے میں آ جائیں گی؟ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔

عام طور پر دیکھا کہ چونکہ ماں کو محبت ہوتی ہے، ذرا بچے کی رونے کی آواز نکلی اور ماں کے منہ سے الفاظ نکلنے شروع ہو جاتے ہیں، بولنا شروع کر دیتی ہے، دوسرے بچوں کو گالیاں دینا، دوسرے بچوں کو کوسنا، دوسرے بچوں کو موردِ الزام ٹھہرانا شروع کر دیتی ہیں۔ یاد رکھیں جب آپ نے چھوٹے بچے کی معمولی بات سے رونے پر بڑے کو ڈانٹنا شروع کر دیا تو بڑے بچے کے اندر آپ نے اپنی ناانصافی کا بیج بو دیا، اس کے دل میں ڈال دیا کہ امی ناانصاف ہے۔ کیونکہ بچہ بغیر الزام کے کوئی ڈانٹ، بغیر غلطی کے کوئی الزام اپنے اوپر برداشت نہیں کرتا۔ جب اس کے دل میں ہوتا ہے کہ میں نے غلطی نہیں کی تو اس کو سمجھ نہیں آتی کہ مجھے کیوں ڈانٹا جا رہا ہے؟ تو وہ ماں سے پھر نفرت کرنے لگ جاتا ہے، ماں کو برا سمجھنا شروع کر دیتا ہے؟ سوچتا ہے کہ بس ماں تو ہمیشہ چھوٹے ہی کی سائیڈ لیتی ہے۔

اور کئی مرتبہ ہوتا ہی ایسے ہے کہ اگر بیٹا چھوٹا ہے تو بڑی بہنوں کی شامت آئی رہتی ہے، ہر بات پر بہنوں کو ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ بھئی! بچہ ہے، اب اس بچے کی خاطر آپ دوسروں کو تو برباد نہ کریں۔ اس لئے یہ چیز ذہن میں رکھیں کہ بچے کا رونا ہمیشہ مظلومیت کا رونا نہیں ہوتا، کئی مرتبہ بچہ خود دوسرے بچوں کو مارتا ہے۔ ایک دفعہ مارا، دوسری دفعہ مارا، تیسری دفعہ مارا، جب بہن کو دو چار دفعہ اس نے مارا، اس نے بھی غصے میں آ کر ایک تھپڑ لگا دیا۔ جب اس نے ایک لگایا اب بچہ روتا ہوا آ گیا۔ اب وہ جو روتا ہوا آ رہا ہے تو یہ مار کھا کے نہیں آ رہا، یہ تین دفعہ مار کے آ رہا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر کوئی تمہارے پاس آئے اور وہ دکھائے کہ میرا ایک کان کسی نے کاٹ دیا ہے تو تم فیصلہ میں جلدی نہ کرنا جب تک کہ تم دوسرے بندے سے نہ پوچھ لو، ہو سکتا ہے کہ اِس نے اُس کے دونوں کان کاٹ دیئے ہوں''۔ اگر کوئی کہے کہ جی اس نے مجھے مکا مارا، اور واقعی مارا بھی ہے تو فیصلہ نہ کریں، جب تک صحیح

صورتحال معلوم نہ کرلیں، ہوسکتا ہے کہ اس نے پہلے اس کے دو مکے مارے ہوں یا اور کوئی زیادتی کی ہو۔

چھوٹوں کے جھگڑے، بڑوں کے جھگڑے کیسے بنتے ہیں؟

عام طور پر یہ دیکھا گیا کہ اس میں بڑوں کی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ جلد بازی کر لیتے ہیں۔ تو غلطیاں چھوٹوں کی ہوتی ہیں اور معمولی ہوتی ہیں لیکن بڑوں کی جلد بازی کی وجہ سے پھر وہ ایشو بن جایا کرتی ہیں، وہ پھر بڑوں کے جھگڑے بن جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا بچہ پڑوسی کے بچے کے ساتھ کھیل رہا ہے اور قصور بھی اپنے بچے کا ہے، لیکن اگر اس نے رونا شروع کر دیا تو اب یہ خاتون پڑوسی کے بچے کو کوسنا شروع کر دے گی اور جب اس کی ماں یہ آواز سنے گی تو یہ آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیں گی۔ چھوٹوں کی بات تھی، بڑوں کے جھگڑے بن گئے اور آپس میں نفرتیں پیدا ہوگئیں۔ تو ایسی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

مگر اس میں ایک اور بھی اہم بات ہے۔ وہ یہ کہ بچے اگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں جھگڑ پڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی میموری اتنی شارٹ رکھی ہوتی ہے کہ چند منٹ کے بعد پھر آپس میں کھیل رہے ہوتے ہیں۔ بچے کے رونے میں اور بچے کے ہنسنے میں پانچ سیکنڈ کا فرق بھی نہیں ہوا کرتا۔ ابھی بچے کے آنسو بہہ رہے ہیں، ابھی اس کو ماں نے اٹھالیا، اس کے آنسو ختم، اس کا رونا ختم۔ بچے کا رونا اور، بڑے کا رونا اور ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کے رونے کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ بھئی ان بچوں کے رونے پر یا جھگڑے پر ہم اس کو بڑوں کا جھگڑا نہیں بنا سکتے، اس لئے کہ بچے تھوڑی دیر کے بعد اس کو بھول کر پھر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جائیں گے۔

عبرت انگیز واقعہ:

چنانچہ ہم ایک واقعہ جانتے ہیں کہ بچے تھوڑی سی بات پر جھگڑ پڑے۔ ماں نے دوسرے بچے کے تھپڑ لگا دیا، اس کی ماں نے بھی آ کر اس سے جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف کے خاوند آ گئے حتیٰ کہ ایک دوسرے کو انہوں نے زخمی کر دیا، پولیس آ گئی، اتنا پڑوسیوں میں فساد پھیلا کہ خدا کی پناہ! جب اگلے دن ماں باپ صبح اٹھے تو کیا دیکھا کہ گلی میں دونوں بچے پھر کھیل رہے تھے۔ تو بچوں کی لڑائی ایسی ہی ہوتی ہے۔ تو بچوں کی لڑائی پر اتنا ماں باپ کا الجھ پڑنا کہ ایک دوسرے کو زخمی کر دیں، پولیس آ جائے، زندگی بھر کے لئے تعلق منقطع ہو جائے، یہ انتہائی جہالت کی بات ہوتی ہے۔ لہٰذا بچوں کے جھگڑے کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے! ہاں جب بچہ لڑائی کر لے تو اب سمجھیں کہ بچے نے آخر جھگڑا کیوں کیا؟ پھر اس کے بعد بچے کو سمجھائیں۔

بچوں کی پانچ صفات:

چنانچہ ایک کتاب میں ایک حدیث نظر سے گزری، اگر چہ احادیث کی کتب سے میں نے خود یہ حدیث نہیں پڑھی مگر کسی اور کتاب میں پڑھی، اس لیے یہ بات میں نقل کر دیتا ہوں ممکن ہے کہ حدیث مبارکہ ہی ہو۔ (علماء بہتر سمجھتے ہیں)۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: کہ بچوں کی پانچ صفات بڑی عجیب ہوتی ہیں۔

پہلی صفت

بچے رو رو کر اپنی بات کو منواتے ہیں۔ واقعی یہ کتنی پیاری صفت ہے۔ اگر بڑوں کو یہ صفت مل جائے اور وہ اللہ کے در پر رو رو کر اپنی بات کو منوائیں تو کتنی اعلیٰ بات ہے۔ اللہ کرے کہ یہ صفت ہمیں بھی ہو جائے۔

دوسری صفت:

فرمایا کہ بچے مٹی سے کھیلتے ہیں۔ چنانچہ کسی وزیر یا امیر کا بیٹا کیوں نہ ہو، ذرا موقع ملے تو وہ زمین پر بیٹھے گا، زمین پر لیٹے گا، زمین پر بھاگے گا۔ تو بچہ چاہے قالینوں میں رہنے والا بچہ ہو، سونے کے پنگھوڑوں میں پلنے والا بچہ ہو، ذرا موقع ملے تو اس کو مزہ زمین کے ساتھ ہی آتا ہے۔ وہ زمین پر ہی بیٹھتا ہے، زمین پر ہی لیٹتا ہے۔ تو فرمایا کہ زمین کے ساتھ طبعی مناسبت، بچے کے اندر تواضع کی دلیل ہوتی ہے۔ تواضع کی وجہ سے بچہ ایسا کر رہا ہوتا ہے تو یہ بھی ایک اچھی صفت ہے۔

تیسری صفت:

فرمایا: بچوں کے اندر ایک عادت ہوتی ہے کہ انہیں جو مل جاتا ہے، وہ اسے منہ میں ڈالتے ہیں اور کھا لیتے ہیں۔ اور واقعی ہم نے غریب گھر کے بچوں کو دیکھا، کہ بچہ جب روتا ہے تو ان کو خشک روٹی کا ٹکڑا دے دیتے ہیں، وہ خشک روٹی کا ٹکڑا چباتے ہوئے خوش ہو جاتے ہیں۔ تو بچوں کو جو دے دو، سادہ کھانا دے دو، پر تکلف دے دو، بچے اسی کو کھا لیتے ہیں۔ اور جب ان کو بھوک ہوتی ہے تو اپنے پیٹ کو بھر لیتے ہیں۔ گویا کھانے پینے کے معاملے میں اللہ نے بچوں کو بے تکلف بنایا ہوتا ہے۔

چوتھی صفت:

فرمایا: کہ عام طور پر بچوں کو دیکھا کہ جب کھیلتے ہیں تو وہ مٹی کے گھر بناتے ہیں، خود ہی مٹی کے گھر بناتے ہیں اور خود ہی ان گھروں کو توڑ دیتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ صفت کتنی اچھی ہے کہ وہ بتا رہے ہوتے ہیں کہ دنیا دار الفنا ہے، ایک وقت آئے گا کہ ہمیں اس دنیا کے کارخانے کی ہر چیز کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جانا ہے۔

پانچویں صفت:

فرمایا: کہ بچوں کے اندر یہ صفت بہت اچھی ہے کہ اگر بچے تھوڑی دیر کے لئے

ایک دوسرے سے جھگڑا کر لیتے ہیں تو پھر صلح کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ان کے سینے میں کینہ نہیں ہوتا، یہ دلوں میں نفرتیں نہیں رکھا کرتے۔ یہ صفت بچوں کے اندر بہت اچھی ہوتی ہے۔تو واقعی یہ بات صحیح ہے کہ بچوں کے اندر اتنی گہرائی نہیں ہوتی کہ پرانی باتوں کو یاد رکھ سکیں۔

اسی لئے جب ماں باپ آپس میں بہت لڑتے ہیں اور پھر بڑے چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی ایک دوسرے سے نہ بولیں تو یاد رکھنا کہ بچوں کے لئے (ماں باپ کی خاطر) مصنوعی لڑائی لڑنا، انتہائی مشکل کام ہوتا ہے۔ بچے اپنے ماں باپ کی وجہ سے مصنوعی لڑائی نہیں لڑ سکتے۔اس لئے بچوں کی فطرت کو سمجھئے اور ان کے جھگڑوں کو اسی طرح سے ڈیل کیجئے بلکہ ان کے جھگڑوں کو تو جھگڑا کہنا ہی نہیں چاہیے۔ پسند اور ناپسند کا اظہار کہنا چاہیے۔آپس میں ان کے جھگڑے تو معمولی باتیں ہوتی ہیں۔لہٰذا چھوٹی سی باتوں پر اس کا تبنگڑ نہیں بنا لینا چاہیے اور اس پر بڑوں کو Envolve (شریک) نہیں ہو جانا چاہیے۔

بچوں کو نصیحت کریں:

اگر بچے جھگڑ پڑیں تو آپ حقیقت کو معلوم کر لیں اور جس کا قصور ہو اس کو سوری کرنے کیلئے کہیں، اس کو معافی مانگنے کیلئے کہیں۔جس نے دل دکھایا ہے زیادتی کی ہے اس کو کہیں کہ ہاتھ جوڑ کے معافی مانگے اور اس کو سمجھائیں کہ ''والصلح خیر''۔ صلح کے اندر اللہ نے خیر رکھی ہے اور بچے کو سمجھائیں کہ جو دنیا میں دوسرے کی غلطی کو جلدی معاف کر دے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو جلدی معاف فرما دے گا۔ جب بچے کو صلح کی اچھائی بتائیں گی اور معاف کرنے کی خوبی بتائیں گی تو غلطی کرنے والا معافی بھی مانگ لے گا اور جس کے ساتھ زیادتی ہوئی وہ جلدی معاف بھی کر دے گا اور وہ بچے پھر آپس میں محبت پیار سے کھیلنے لگ جائیں گے۔اللہ

رب العزت ہمارے گھر کے بچوں کے اندر سے ان جھگڑوں کو ختم فرمادے اور بڑوں کو ان جھگڑوں میں الجھنے سے اللہ محفوظ فرمائے، اس لئے کہ جھگڑے فساد ہوتے ہیں اور اللہ فساد کو ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فساد سے بچائے ہی رکھے۔

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بڑوں کے جھگڑے

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

بڑوں کے جھگڑے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ،بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.
﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادُ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ٥وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ٥
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ.

بڑوں کے جھگڑے بھی بڑے:

آج کا عنوان ہے ''بڑوں کے جھگڑے''۔ جو لوگ جوانی کی عمر میں پہنچ جاتے ہیں، عقل پختہ ہو جاتی ہے، ان کی بھی ایک دوسرے کے ساتھ رنجشیں ہوتی ہیں لیکن یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ جذبات اور خیالات میں پختگی آ جاتی ہے، لہٰذا ان پر ہر بات کا اثر دیر پا ہوتا ہے۔ انہیں مدتوں بات یاد رہتی ہے اور اس میں اس وجہ سے Complication (پیچیدگی) آجاتی ہے۔ اس عمر میں پہنچ کر انسان اتنا Mature (پختہ) ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے بندے کو اپنے حالات و کیفیات کا پتہ بھی نہیں چلنے دیتا۔ لہٰذا آپ چہرے سے دیکھ کر یہ سمجھیں گی کہ یہ میرے ساتھ بالکل ٹھیک ہے جب کہ اس کے دل کے اندر کوئی نہ کوئی چیز کھٹک رہی ہوگی۔ تو بڑی عمر کے بندے کو خوشی اور غمی کو چھپانے میں مہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک تو بات کا اثر دیر تک رہا اور دوسرا انہوں نے اپنے اندر کی Feelings (احساسات) کا دوسرے کو پتہ ہی نہ

چلنے دیا، تیسرا، جلتی پر تیل کا کام یہ ہوتا ہے کہ انسان کو دوسروں کی اچھائیاں تو بھول جاتی ہیں، مگر ان کی غلطیاں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس وجہ سے بڑوں کے جھگڑے بھی بڑے بن جاتے ہیں، دیرپا ہوتے ہیں۔

بڑوں کی سوچ:

پھر اس میں ایک چیز مزید شامل ہو جاتی ہے کہ بڑوں کے اندر سوچ کا مادہ بھی زیادہ ہوتا ہے، وہ ایک چھوٹے سے معاملے کو اپنے ذہن میں لے کر سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کو Food For Thought (سوچنے کیلیے مواد) مل جاتا ہے اور وہ اس کے اوپر ایک خیالی عمارت بنانا شروع کر دیتے ہیں، اچھا، فلاں نے آج اچھے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے لگتا ہے اپنے گھر میں خوش نہیں، لگتا ہے خاوند کے ساتھ نہیں بنتی، ہوسکتا ہے کہ ساس پسند نہ کرتی ہو، کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے۔ اب ایک عورت جو سادگی کی نیت سے بیان سننے کے لئے سادہ کپڑے پہن کر آ گئی، اب اس پوائنٹ کو لے کر انہوں نے اس پر اپنے خیالات کے تانے بانے بننے شروع کر دیئے اور ایک سٹوری بنالی کہ ہمیں تو لگتا ہے کہ فلاں لڑکی جس کی ابھی شادی ہوئی ہے اپنے گھر میں خوش نہیں۔ سٹوری بھی بن گئی اور نتیجہ بھی نکل گیا۔

بدگمانی کی نحوست:

پھر اس میں ہمارا ایک دشمن ہے، جس کو شیطان کہتے ہیں، اور ایک جسے نفس کہتے ہیں، وہ بدگمانی کے ذریعے صورتحال کو اور زیادہ برا بنا دیتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو وزن کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے انسان دوسرے کی چھوٹی غلطی کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور اپنی بڑی غلطیوں کو بھی وہ چھوٹا سمجھتا ہے۔

دوسرے کے بارے میں کوئی بری بات ذہن میں سوچنا، یہ چیز بدگمانی کہلاتی

ہے، شریعت نے بدگمانی کو حرام قرار دیا ہے۔ بڑوں کے جھگڑوں کی بنیاد میں اکثر و بیشتر بدگمانی کی نحوست شامل ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ

[کہ تم گمان سے بچو کیونکہ اکثر گمان جھوٹ ہوتے ہیں]

تو بجائے نیک گمان کرنے کے، شیطان بدگمانی کرواتا ہے اور انسان کو فتنوں میں مبتلا کرتا ہے۔

بدگمانی گناہ کبیرا ہے:

ایمان والوں کے ساتھ بدگمانی، یہ کبیرا گناہ ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ﴾

[اور ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا]

اس لئے محسن انسانیت سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

ظَنُّوا بالمومنین خیرًا

ایمان والوں کے ساتھ نیک گمان رکھو، بدگمانی نہ رکھو!

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارک سے یہ مطلب نکالا کہ اگر کسی بندے میں انہتر باتیں عیب کی نکلتی ہوں لیکن ایک راستہ خیر کا نکل سکتا ہو تو تم اس ایک بات کی وجہ سے اس کے ساتھ نیک گمان رکھو! لیکن ہمارا کیا حال ہے؟ ہر چیز بتا رہی ہوتی ہے کہ کام تو ٹھیک ہے لیکن ہم اس میں سے بدگمانی کا راستہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔

اب چونکہ حکم فرمایا کہ مومنین کے ساتھ نیک گمان رکھو تو ذرا توجہ فرمائیے کہ قیامت کے دن انسان پیش کیا جائے گا کہ تو نے فلاں کے بارے میں بدگمانی کیوں

کی؟ اس پر ہمیں ثبوت پیش کرو! تو مقدمہ اپنے اوپر کیوں قائم کروالیا؟ اور اگر بندہ نیک گمان رکھے گا اگر چہ دوسرا بندہ برا ہو تو ثواب تو اس کو خود بخود مل جائے گا۔تو یہ کتنے مزے کی بات ہے کہ نیک گمان رکھو اگر چہ کوئی برا ہو، اللہ تعالیٰ نیکی پھر بھی دے دیتے ہیں۔اور اگر بدگمانی کر لی تو قیامت کے دن اس کے اوپر دلیلِ شرعی پیش کرنی پڑے گی، ثبوت دینا پڑے گا، ورنہ انسان اس جرم کے اندر خود گرفتار ہو گا۔

بدگمانی ایک اخلاقی بیماری:

یہ بدگمانی تمام جھگڑوں کی بنیاد ہے۔ شیطان فساد پیدا کرنے کے لیے پہلا کام ہی یہ کرتا ہے کہ لوگوں کو آپس میں بدگمان کرتا ہے۔ کسی کے دل میں دوسرے کے بارے میں غلط اندازے، غلط خیالات پیدا کر کے ان کو ایک دوسرے سے متنفر کرتا ہے۔ بات اتنی ہوتی نہیں جتنی اسے نظر آ رہی ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ کے اعتراض پیدا ہو جاتے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن کئی لوگ ہوں گے کہ وہ اپنی آپ کو اچھا سمجھ رہے ہوں اور وہ دوسروں کے سامنے پہلے جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بدگمانی کرنے کی ان کو عادت ہوتی ہے۔ یہ ایک عادت ہے، اس کا تعلق عادت سے ہے کہ اپنے سوا نگاہ میں کوئی جچتا ہی۔ لاکھ اچھائیاں کسی کی ہوں نظر ہی نہیں آتیں۔ تو برائیوں کے اوپر تو دوربین فٹ کی ہوتی ہے۔ بلکہ میں تو کہوں کہ خوردبین فٹ کئے بیٹھے ہوتے کہ کچھ نظر آئے۔ جی ہاں، جو معاملہ آپ اس کے ساتھ کر رہے ہیں وہی معاملہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کریں گے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر بدگمانیاں ہونے لگ جائیں گی، ہم آپس میں ایک دوسرے کے قریب رہتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بدگمانیاں شروع کر دیں تو پھر آپس میں جھگڑے اور نفرتیں ہی

پیدا ہوں گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگنی چاہئے اور اس بیماری اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

بدبودار چاند:

ایک عورت اپنے بچے کی نیپی تبدیل کروا رہی تھی تو اس کی کہیں انگلی کے اوپر تھوڑی سی نجاست لگ گئی، اتنے میں گھر کے بچوں نے شور مچا دیا پہلی کا چاند نظر آ گیا ،پہلی کا چاند نظر آ گیا۔ اس نے سوچا کہ میں بھی پہلی کا چاند دیکھ لوں، اب یہ پہلی کا چاند جب دیکھنے لگی تو عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ انگلی اپنے ناک پر رکھ لیتی ہیں۔ اس نے انگلی اپنے ناک پر رکھی جب چاند کو دیکھا کہنے لگی ہاں ہے تو پہلی کا چاند پتہ نہیں اس دفعہ بدبودار کیوں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چاند بدبودار نہیں تھا، اس کی انگلی کی بدبو اس کی ناک میں آ رہی تھی۔ تو اعتراض کرنے والوں کا عام طور پر یہی معاملہ ہوتا ہے۔

شیطان کے خلاف دو مؤثر ہتھیار:

یہاں ایک نکتے کی بات سمجھنے کی کوشش کریں کہ شیطان انسان کے ذہن میں برے وسوسے ڈالتا ہے۔ یہ وسوسے اگر آپ اپنے ذہن سے نکال دیں تو پھر آپ بدگمانی سے بچ جائیں گی۔ وہ Food for thought (سوچنے کیلئے مواد) دے دیتا ہے اور اس پر بندے سوچ بچار کر کے بالآخر بدگمانی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ جب بھی شیطان ذہن میں کوئی وسوسہ ڈالے، آپ اس وسوسے کو سوچنے کی بجائے فوراً لا حول ولا قوة الا بالله پڑھا کریں۔ کسی کے بارے میں برے خیال ذہن میں آئیں، دیورانی، جٹھانی کے بارے میں، ساس کے بارے میں، پڑوسن کے بارے میں کسی کے بارے میں کوئی برا خیال ذہن میں آئے تو فوراً پڑھیں۔ لا حول

ولا قوۃ الا باللہ ۔اس خیال کو نہ سوچیں، نہ اس کی تصدیق کرنے کی کوشش کریں، اس لئے کہ شیطان بدگمانی کا مرتکب کروا کر آپ کو خیر سے محروم کر دے گا۔

تو شیطان تو ایسا بدبخت ہے کہ بس وہ وسوسہ ذہن میں ڈالتا ہے، تو وسوسے کو مت سوچیں، اس خیال کو مت آگے بڑھائیں بلکہ ہمارے پاس دو ہتھیار ہیں ایک ہتھیار۔لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور دوسرا ہتھیار۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کچھ بھی پڑھ لیں ان دونوں سے اسی وقت شیطان بھاگتا ہے، دور چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی شیطان کے وسوسے سے حفاظت فرما دیتے ہیں۔

ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ کا شیطان سے مکالمہ:

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری ایک مرتبہ شیطان سے ملاقات ہوئی تو مجھے کہنے لگا: ابن عربی! بڑے عالم ہو، میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگا: میرے ساتھ آج مناظرہ کرلو، میں نے کہا: میں ہرگز نہیں کروں گا۔ کہنے لگا: کیوں؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے لئے ایک ڈنڈا دیا ہے جس کا نام ہے۔لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔ میں یہ ڈنڈا استعمال کر کے تجھے یہاں سے دور بھگا دوں گا۔ مجھے تجھ سے بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔اور واقعی اگر وہ بحث میں پڑ جاتے تو شیطان ان کے دلائل کو توڑ کر شاید ان کو کسی برے پوائنٹ پر لے آتا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور شیطان کا مباحثہ:

کہتے ہیں کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کسی بزرگ سے بیعت تھے۔انہوں نے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں سو دلائل اکٹھے کیے۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بڑے خوش تھے کہ میں نے وجود باری تعالیٰ میں سو دلائل بڑے ٹھوس اور مضبوط اکٹھے کر لیے ہیں۔ایک مرتبہ شیطان سے ملاقات ہوگئی، شیطان نے کہا کہ رازی اللہ تعالیٰ موجود نہیں ہے۔

انہوں نے کہا ہیں۔ دلیل دو! انہوں نے پہلی دلیل دی، شیطان نے توڑ دی، دوسری دلیل دی، شیطان نے پھر توڑ دی، یہ سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ جب ان کی سو کی سو دلیلیں ٹوٹ گئیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بہت پریشان ہوئے مگر ان کا تعلق اپنے شیخ کے ساتھ تھا، رابطہ سلامت تھا، کہتے ہیں کہ اس وقت ان کو آنکھوں کے سامنے شیخ کی شکل نظر آئی اور شیخ بڑے جلال میں تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ رازی! تم اس مردود کو کیا دلیلیں دینے میں لگے ہو؟ تم اس کو یہ کہو کہ میں بغیر دلیل کے اپنے رب کی ذات کو مانتا ہوں۔ چنانچہ جب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ میں بغیر دلیل کے اللہ کے وجود پر ایمان رکھتا ہوں، اس کو شیطان نہ توڑ سکا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان محفوظ ہو گیا۔

وساوس کا کیا علاج؟

چند صحابہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آئے، اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے دل میں بعض اوقات ایسے خیالات آجاتے ہیں کہ ہم پھانسی پہ لٹک جاتے، آگ میں پڑ جاتے یہ زیادہ بہتر تھا، بہ نسبت اس کے کہ ایسے خیال ہمارے ذہنوں میں آئیں۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمہارے ایمان کی علامت ہے، جب بھی برا خیال آئے اور بندہ اس کو ناپسند کرے تو یہ علامت ہے کہ واقعی اللہ نے اس بندے کے دل میں ایمان کو بھر دیا ہے۔ یہ وسوسے تو آتے ہی رہیں گے، ان سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک بڑی سڑک ہے، اس پر بس بھی چل رہی ہے، کار بھی چل رہی ہے، گدھا گاڑی بھی چل رہی ہے، سائیکل والا بھی کوئی جا رہا ہے، اب یہ مختلف لوگ اس سڑک کے اوپر جا رہے ہیں تو کار والا پریشان تو نہیں ہوتا کہ جی گدھا گاڑی والا یہاں پر کیوں چل رہا ہے؟ اس کو تو اپنے کام سے کام رکھنا ہے۔۔ بالکل اسی طرح انسان کا ذہن شاہراہ کی مانند ہے، موٹروے کی مانند ہے،

اس موٹروے کے اوپر مختلف قسم کے خیالات آتے رہتے ہیں، کبھی اچھے، کبھی برے، کبھی نفس کی طرف سے، کبھی شیطان کی طرف سے اور کبھی رحمان کی طرف سے خیالات آتے ہیں، لیکن مومن کو چاہیے کہ وہ خیر کے خیال اپنائے، اس کے بارے میں سوچے اور جو دوسرے قسم کے وسوسے اور خیالات ہوں، ان کو اپنے ذہن سے ہی نکال دے، ان کی طرف دھیان ہی نہ دے۔ان کو Do`nt care case۔ بنا دے۔ جب آپ ان کے اوپر دھیان ہی نہیں دیں گی تو وہ آپ کا کچھ بگاڑ ہی نہیں سکے گا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ

[تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے شیطان کے معاملے کو وسوسے کی حد تک رکھا]

اب کوئی شیطان ہمارا ہاتھ پکڑ کر تو نہیں گناہ کروا سکتا۔ وسوسہ ہی ڈال سکتا ہے ناں۔ اس وسوسے کو ماننا یا نہ ماننا یہ تو بندے کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ تو اگر یہ بات سمجھ آجائے تو پھر بندوں کو وسوسوں کی پروا نہیں ہوتی۔

منفی وساوس کو نظر انداز کریں:

کئی لوگوں کو دیکھا کہ وسوسوں کی وجہ سے ہی پریشان ہو جاتے ہیں۔ او جی! پتہ نہیں میرا ایمان ہے بھی یا نہیں۔ بھئی! کیوں نہیں ہے آپ کا ایمان؟ جی میرے ذہن میں ایسے خیال آتے ہیں۔ بھئی! خیال آنے سے کوئی انسان ویسا تو نہیں بن جاتا۔ دیکھیں! رمضان المبارک کا مہینہ ہے، اگر آپ کے ذہن میں بار بار یہ خیال آئے کہ فریج میں شربت پڑا ہے، میں اٹھ کے پی لوں تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ جب تک آپ پیئیں گی نہیں اس وقت تک روزہ نہیں ٹوٹے گا، چاہے یہ خیال ایک ہزار مرتبہ آپ کو آجائے۔ اسی طرح جب تک اس وسوسے پر عمل نہ کیا جائے تو وسوسہ

انسان کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔

چلیں ایک اور مثال، ہر انسان کے جسم کے اندر نجاست کسی نہ کسی حد میں ہر وقت ہوتی ہے (پیشاب، پاخانہ) لیکن جب تک وہ انسان کے جسم سے خارج نہ ہو اس وقت تک اس کا وضو نہیں ٹوٹتا؟ تو اب کوئی بندہ اس وجہ سے پریشان ہے کہ جی میں کیسے نماز پڑھوں؟ میرے تو پیٹ میں پاخانہ ہے۔ تو بے وقوفوں والی بات ہے ناں۔ لہٰذا وساوس کے آجانے پر پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایسے وساوس کو نظر انداز کر دینا چاہیے اور نیک خیالات کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

وسعتِ نظر اور وسعتِ ظرف:

ہاں جو انسان وسیع النظر ہو جاتا ہے ہمیشہ اس کے اعتراضات دوسروں پر کم ہو جاتے ہیں۔ یہ ذہن میں رکھنا! جس کا ظرف بڑا ہوتا ہے، جس کا دل بڑا ہوتا ہے اس کو دوسروں پر اعتراض کرنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔ اور یہ کم ظرفی کی علامت ہوتی ہے کہ انسان دوسروں پر اعتراض کرتا پھرتا ہے اور خود اپنا معاملہ اس سے زیادہ برا ہوتا ہے۔

تو ہمیں اللہ رب العزت کے بارے میں بھی نیک گمان رکھنا ہے اور مومنین کے بارے میں بھی نیک گمان رکھنا ہے۔ کسی کی ایک بات کے اندر اگر برائی کا پہلو نکلتا ہے تو آپ سوچیں کہ اگر کوئی اچھائی کا پہلو نکل سکتا ہے تو آپ اسی اچھائی کے پہلو کے بارے میں سوچیں اور اس کے ساتھ خیر کا گمان رکھیں، حتیٰ کہ اگر ستر برائی کے پہلو نکلتے ہیں اور ایک خیر کا نکلتا ہے تو برائی کے ستر پہلوؤں کو نظر انداز کر دیں اور ایک پہلو کو قبول کر لیں اور اس کے بارے میں نیک گمان رکھیں۔ اس طرح سے انسان پھر بدگمانی کے گناہ سے بچ جاتا ہے۔

فساد کے چار مرحلے:

چنانچہ بڑوں کی لڑائیوں میں چار مرحلے آتے ہیں:

پہلا مرحلہ: بدگمانی

پہلا step (قدم) بدگمانی ہوا۔ عام طور پر پہلے بدگمانی آتی ہے، شیطان بندے کے دل میں دوسرے کے بارے میں الٹے سیدھے خدشات اور وساوس ڈالتا ہے جن کا اکثر حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہ دل میں پختہ ہو جاتے ہیں تو دل میں دوسرے کے بارے میں کینہ پیدا ہوتا ہے، یوں جھگڑے کی بنیاد کھڑی ہو جاتی ہے۔

دوسرا مرحلہ: غیبت

دوسرے مرحلے میں جس کی بدگمانی دل میں پیدا ہوئی بندہ اس کی غیبت شروع کر دیتا ہے، بدگمانی غیبت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ دل میں کسی کے بارے میں بدگمانی آئی اور اس کی غیبت کرنی شروع کر دی، اس کے بارے میں Coments (تبصرے) دینے شروع کر دیئے، اس کی برائیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔

تیسرا مرحلہ: لڑائی جھگڑا

اور تیسرا Step (قدم) ہوتا ہے آپس میں لڑائی جھگڑا اور فساد ہوتا ہے۔ جب غیبتیں شروع ہو جاتی ہیں تو دوسرے کو پتہ چلتا ہے وہ دو کی چار سناتا ہے۔ بس پھر ایک دوسرے پر گولہ باری شروع رہتی ہے۔ حتی کہ کبھی براہ راست ہاتھا پائی کی بھی نوبت بھی آجاتی ہے۔

چوتھا مرحلہ: قطع رحمی

جب چپقلش اس حد تک بڑھ گئی اب چوتھا قدم ہوتا ہے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقکو ختم کر لیتے ہیں، بول چال، آنا جانا بند ہو جاتا ہے، اسے قطع رحمی کہتے ہیں یہ بھی بڑے گناہ کی بات ہے۔

تو شیطان اور نفس بدگمانی سے سفر شروع کرواتے ہیں اور قطع رحمی تک انسان کو پہنچا دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قطع رحمی ایسا گناہ ہے کہ شبِ قدر میں بھی قطع رحمی کرنے والے کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرماتے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ تو سوچیے کہ یہ بدگمانی کہاں انسان کو لے کر گراتی ہے؟

﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوصَلَ ﴾ (البقرۃ:۲۷)

[اور کاٹتے ہیں (رشتوں کو) جن کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے]

پہلے قدم پر ہی رک جائیں!

اس لئے پہلے قدم پر ہی شیطان کو روک دیجئے اور دوسروں کے بارے میں نیک گمان رکھنے کی عادت بنا لیجئے! دل کو یہ سمجھائیں کہ میرے اپنے ہی مسئلے کون سے تھوڑے ہیں کہ میں دوسروں کے بارے میں سوچتی پھروں۔ میرا ہی بوجھ میرے سر پر اتنا ہے کہ قیامت کے دن اس بوجھ کو اٹھا پائی تو بڑی بات ہے۔ خواہ مخواہ دوسروں کے بارے میں کیوں میں کوئی رائے دوں؟ ہوسکتا ہے اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے اور ہوسکتا ہے کہ میری خطاؤں کے بارے میں مجھ سے سوال کر لے۔ تو دوسروں کے معاملے کو آپ ہمیشہ لائٹ لیا کریں۔ نفس کے بارے میں اپنے آپ کو ہمیشہ ٹائیٹ کیا کریں۔

رنجش کی پانچ وجوہات

جب آپس میں رنجشیں ہوتی ہیں تو ظاہر میں بھی اس کی کچھ نہ کچھ وجوہات ہوتی ہیں۔تو عموماً پانچ وجوہات کی وجہ سے آپس میں رنجش ہوتی ہے۔

پہلی وجہ: مل جل کر رہنا

پہلی وجہ مل جل کر رہنا جب بھی Combined Family System (مشترکہ خاندانی سسٹم) میں انسان رہتا ہے تو ایک دوسرے کے ساتھ پھر رنجشیں ہوجاتی ہیں۔ کہیں ساس بہو کی لڑائی، کہیں نند اور بھابھی کی لڑائی، کہیں دیورانی جٹھانی کی لڑائی، بس یوں سمجھیں کہ شیطان کے لئے یہ صورتحال بڑی اچھی ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بدگمانی پیدا کر کے آپس میں ایک دوسرے سے الجھا دیتا ہے۔تو مل جل کر رہیں، مگر کچھ ایسا طریقہ ہو کہ ہر ایک کی اپنی پرائیویٹ لائف الگ رہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے، بچوں کی شادیاں کیں تو گھر بے شک قریب قریب بنائیں، مگر سب کے اپنے اپنے ہوں تاکہ اپنے اپنے گھروں میں میاں بیوی اپنی چاہت کے مطابق وقت گزار سکیں۔ یہ نہ ہو کہ ایک خاوند اپنی بیوی کے لئے کوئی کھانے کی چیز لائے اور دوسری اسی کو ایشو بنا کر ساس کی نظر میں پیش کر دے۔ اتنا اوپن ایک دوسرے کے قریب رہنا کہ دوسرے کے لئے پرسنل لائف کو بھی دیکھنا آسان ہو یہ جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔تو شریعت نے حکم دیا کہ جتنا بھی ممکن ہو سکے قریب رہو مگر اپنی پرسنل لائف کو الگ رکھو تاکہ دوسروں کو اعتراض کا موقع کم ملے۔

دوسری وجہ: زیادہ توقعات

دوسری بات جس کی وجہ سے عام طور پر بڑوں کے جھگڑے ہوتے ہیں کہ ایک

دوسرے سے Over Expect (زیادہ توقعات وابستہ) کر لیتے ہیں، بعض اوقات زیادہ امید لگا لیتے ہیں۔ مثلاً: لڑکی کی منگنی کی اور بہن نے اس طرح خوشی کا اظہار نہ کیا جیسے بندہ چاہتا تھا، حالانکہ اس کے دل میں تو خوشی تھی، بس موقع پر اس نے کوئی دو چار لفظ کہنے تھے وہ نہ کہہ پائی، بس اسی پر بدگمان ہو گئے۔ او جی! میری بیٹی کی منگنی پر تو بہن کو کوئی خوشی ہی نہیں ہوئی۔ یہ تو اندر سے اس سے بڑی خفا ہے کہ اچھی جگہ رشتہ کیوں ہو گیا؟ اب لو معمولی سی بات تھی اور بات کا بتنگڑ بن گیا۔ تو یہ عادت اپنے اندر ڈالیں کہ آپ دوسرے سے زیادہ امیدیں ہی نہ رکھا کریں۔ جب امید ٹوٹتی ہے تو بندے کے دل میں دوسرے کے بارے میں دشمنی آتی ہے، بدگمانی آتی ہے، اور بندہ قطع تعلقی کر بیٹھتا ہے۔ امیدیں لگانے کی ایک ہی ذات ہے جس کا نام پروردگار ہے، ساری امیدیں مومن کی اللہ رب العزت کے ساتھ ہی ہونی چاہییں۔

تیسری وجہ: سوچ کا فرق

بڑوں کی لڑائی کی تیسری وجہ عام طور پر سوچ میں فرق ہوتا ہے۔ Level of understanding (سمجھ) کا فرق Way of thinking (سوچنے کے طریقہ کار) کا فرق۔ ایک بندہ چیز کو ایک زاویے سے دیکھتا ہے دوسرا اسی چیز کو دوسرے زاویے سے دیکھتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کے مہمان آئے، اس کے ذہن میں یہ تھا کہ مہمان نوازی کرنی چاہیے، اس نے مہمان نوازی کی نیت سے خوب پر تکلف کھانے بنائے، اور دوسری نے اتنے پر تکلف کھانے دیکھ کر کہا کہ یہ تو بڑی ہی فضول خرچ ہے۔ تو ایک کی نیت مہمان نوازی کی تھی اور دوسری کے ذہن میں آیا کہ یہ تو بڑی فضول خرچ ہے، خاوند کا پیسہ برباد کرتی ہے۔ اس سوچ کے فرق کی وجہ سے آپس میں پھر لڑائیاں شروع ہوتی ہیں، بدگمانی کی وجہ سے۔

چوتھی وجہ: رسم رواج

چوتھی وجہ بڑوں کی لڑائی کی رسم ورواج ہیں۔ کوئی چاہتا ہے کہ میں سنت کے مطابق زندگی گزاروں، اور رشتہ دار چاہتے ہیں کہ یہ رسم بھی پوری ہو، یہ رواج بھی پورا ہو۔ چنانچہ رسم اور رواج کے پیچھے ایک دوسرے کے ساتھ لڑائیاں چھڑ جاتی ہیں۔ تبصرے ہوتے ہیں، فساد کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو وقت گزاری کے لئے تیری میری باتیں کرنا ہے، یہ بھی فساد کی بنیاد ہے۔ بعض عورتیں فارغ ہوتی ہیں تو بیٹھ کر دوسری عورتوں کی باتیں چھیڑ لیتی ہیں، فلاں کی بات ایسی ہے، فلاں کے حالات ایسے ہیں۔ تو یہ ذہن میں رکھنا کہ وقت گزاری کے لئے تیری میری باتیں کرنا، فساد کی بنیاد ہوتی ہے۔ اگر اللہ نے وقت دیا ہے تو بجائے بیٹھ کر لوگوں پر تبصرہ کرنے کے، آپ نیک اعمال کریں، عبادت کریں، اپنے آپ کو کسی اچھے کام میں مصروف کر دیں۔

پانچویں وجہ: بدمعاملگی

آپس میں جھگڑے کی پانچویں وجہ بدمعاملگی، کہ ہمیں بعض دفعہ دوسروں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا نہیں آتا، اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ہم لوگوں کو ڈیل ٹھیک نہیں کرتے اور اچھی ڈیلنگ نہ ہونے کی وجہ سے پھر درمیان میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دو بہنیں قریب قریب رہتی تھیں، اب اس نے ضرورت پڑنے پر بہن کا دھاگہ استعمال کر لیا، نیت یہ تھی کہ خرید کر واپس کر دوں گی اور پھر خریدنا بھی بھول گئی، اب جب بہن اپنی چیز واپس مانگے گی اور اس وقت جواب ملے گا کہ جی آپ کی چیز تو میں نے استعمال کر لی اور بتایا بھی نہیں تو پھر جھگڑا تو خود بخود شروع ہو جائے گا۔ تو بدمعاملگی سے بچیں، یہ جو بری ڈیلنگ ہے اس سے بچیں۔ لوگوں کے ساتھ اچھی ڈیلنگ کریں! اچھی ڈیلنگ کرنے والے لوگ دوسروں کی محبتوں کو سمیٹا

کرتے ہیں اور دوسروں کی بدگمانیوں سے بچ جاتے ہیں۔ شریعت نے انہیں کو اخلاق حمیدہ کا نام دیا، حسن معاشرت کا نام دیا۔ دعائیں مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حسنِ معاشرت عطا فرمائے۔

خاندانی عداوت......اللہ کا عذاب:

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بڑوں کی جو رنجشیں ہوتی ہیں وہ پھر بڑی بن جایا کرتی ہیں۔ وہ پہلے ہوتی ہیں ایک گھر کی رنجشیں پھر خاندان کی رنجشیں بن جایا کرتی ہیں بلکہ خاندانی عداوتیں بن جاتی ہیں۔ اور یہ خاندانی عداوتیں اس دنیا میں اللہ رب العزت کا عذاب ہے۔ اس عذاب سے اللہ رب العزت سے پناہ مانگیں۔

معافی مانگنے میں عافیت ہے:

آپ محسوس کریں کہ کسی کا دل دکھا، کسی کو پریشانی ہوئی یا میں کسی کی توقعات کو پورا نہیں کرسکی تو فوراً اس سے معافی مانگ لیں۔ یہ آسان طریقہ ہوتا ہے معاملے کو سلجھانے کا۔ معافی مانگنے میں پریشان نہ ہوں، یہ بہت اچھی عادت ہے اور بڑے بڑے بوجھ انسان کے سر سے ٹل جاتے ہیں۔

ہمارے ایک قریبی مہربان تھے، ان کی عادت تھی جس کو ملتے تھے اس کو جدا ہونے سے پہلے کہتے تھے، جی! آپ کے میرے اوپر بڑے حقوق تھے میں ان کو پورا نہیں کرسکا، آپ مجھے اللہ کے لئے معاف کردیں۔ ایسی بات اللہ نے ان کو یہ سمجھا دی تھی ہر ایک کو یہی کہتے تھے۔ جی! آپ کے میرے اوپر بڑے حقوق تھے، میں پورا نہیں کرسکا آپ مجھے اللہ کے لئے معاف کردیں۔ اتنی لجاجت اور عاجزی کے ساتھ کہتے تھے کہ دوسرے بندے کو ان پر پیار آجاتا تھا۔ تو بندے کو اسی طرح دوسروں سے معافی مانگنی چاہیے۔ ظاہر میں کوئی اگر غلطی نہیں بھی نظر آرہی پھر بھی معافی مانگ لے۔

اس کا فائدہ ہی ہے کہ قصور معاف ہو جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معافی مانگنا:

ایک مرتبہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، کوئی بات چلی تو عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی سخت لفظ استعمال کر دیا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے سخت لفظ استعمال کیا تو بلال رضی اللہ عنہ کا دل جیسے ایک دم بجھ جاتا ہے اس طرح سے ہو گیا اور وہ خاموش ہو کر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ جیسے ہی وہ اٹھ کر گئے، عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا کہ انہیں میری اس بات سے صدمہ پہنچا ہے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے، بلال رضی اللہ عنہ کو آ کر ملے، کہنے لگے: اے بھائی! میں نے ایک سخت لفظ استعمال کر لیا۔ آپ مجھے اللہ کے لئے معاف کر دیں۔ انہوں نے کہا جی جی۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کو تسلی نہیں ہو رہی تھی اسلئے کہ وہ ذرا خاموش خاموش تھے، دل جو دکھا تھا۔ تو جب عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بلال کا دل خوش نہیں ہو رہا تو بات کرنے کے بعد بلال رضی اللہ عنہ کے سامنے زمین پر لیٹ گئے اور کہا: بھائی! میرے سینے پر اپنے قدم رکھ دو! میری غلطی کو اللہ کے لئے معاف کر دو! بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے، امیر المومنین! میں ایسی حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ جو بڑے حضرات تھے اپنی زندگی کے معاملے کو ایسے سمیٹا کرتے تھے۔ یاد رکھیں! آج دوسروں کے بارے میں کچھ الفاظ کہہ دینا آسان ہے لیکن اگر کل قیامت کے دن اللہ رب العزت نے ہمیں کھڑا کر کے پوچھ لیا، بتاؤ! تم نے فلاں کو کمینہ کیوں کہا تھا؟ تم نے فلاں کو ذلیل کیوں کہا تھا؟ تم نے فلاں کو بے ایمان کیوں کہا تھا؟ سوچیں! ہم ان باتوں کو اس دن کیسے ثابت کر سکیں گے؟ یہ وہ دن ہو گا جس میں انبیاء بھی گھبراتے ہوں گے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

آج وقت ہے......

آج وقت ہے کہ ہم دوسروں کے بارے میں نیک گمان رکھیں، لڑائی جھگڑے کو

ابتداء سے ہی ختم کر دیں۔ زیادتی ہو جائے تو دوسرے سے معافی مانگ لیں اور اس آپس کے لڑائی جھگڑے کو اللہ کا عذاب سمجھتے ہوئے اللہ سے اس کی پناہ مانگیں اور اس فساد سے ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔ یہ دل میں تمنا ہو کہ ہم اپنے گھروں کو، اپنے خاندانوں کو اس فساد والے عذاب سے بچائیں گے اور محبت اور الفت کی زندگی گزاریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں اپنے مقبول بندے، بندیوں میں شامل فرمائے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گھریلو جھگڑے

از افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت مفکرِ اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

گھریلو جھگڑے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo
﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَo
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

گھر کے جھگڑے:

آپس کے لڑائی جھگڑوں میں جھگڑے کی ایک نوعیت گھریلو ہوتی ہے کہ گھر کے اندر جو لوگ رہ رہے ہیں وہ آپس میں جھگڑا کرلیں۔ جیسے آپس میں بہن بھائی کا جھگڑا یا اولاد والدین کے درمیان جھگڑا۔ اس کو سمجھنے کے لئے شرعی طور پر جو گھر کا سیٹ اپ ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

انسانی جسم ضدین کا مجموعہ:

اللہ رب العزت نے انسان کو ایسے اعضا دیے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اپنی صفات کے اعتبار سے یہ اعضا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ انسان ضدین کا مجموعہ ہے۔ جیسے آنکھ دیکھ سکتی ہے باقی پورا جسم نہیں دیکھ سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ زبان بول سکتی ہے باقی پورا جسم نہیں بول سکتا، تو ایک

دوسرے کی ضد ہوئے۔ کان سن سکتے ہیں، باقی پورا جسم نہیں سن سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔تو معلوم ہوا کہ انسانی جسم ایسے اعضا سے مل کر بنا ہے جو اپنی صفات کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف، ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

روح اعضاء میں جوڑ پیدا کرتی ہے:

لیکن اللہ رب العزت نے اس جسم کے اندر ایک نعمت کو اتارا جس کو روح کہتے ہیں۔لہٰذا روح کی موجودگی میں سب اعضاء ایک بن کر کام کرتے ہیں۔ان کا آپس میں جوڑ بھی ہوتا ہے، ایک دوسرے کے ساتھ Co-ordination (ربط) ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی کے اگر سر میں درد ہو تو آنکھوں میں سے آنسو آئیں گے۔آنکھ کبھی یہ تو نہیں کہے گی کہ یہ میرا پرابلم نہیں یہ تو سر کا پرابلم ہے۔ چونکہ سب ایک بنے ہوئے ہیں، لہٰذا ایک کی خوشی سب کی خوشی، ایک کا غم سب کا غم۔ اگر سر میں درد ہے تو آنکھوں سے آنسو آئیں گے، زبان سے آوازیں نکلیں گی، پاؤں چل کر ڈاکٹر کے پاس جائیں گے، آپ اس کی دوا پئیں گے، تو گویا روح کی موجودگی میں جسم کے اعضاء ایک ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارتے ہیں۔کوئی دشمن اگر کسی کے سر پر ڈنڈا مارنا چاہے تو آپ دیکھیں گی کہ فوراً اس کے ہاتھ اٹھیں گے اور اس ڈنڈے کو پکڑنے کی کوشش کریں گے۔ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ وہ کوئی ہاتھوں پر تو ڈنڈا نہیں مار رہا، وہ سر پر ڈنڈا مارنا چاہتا ہے مگر چونکہ یہ سب ایک ہیں لہٰذا سر کی تکلیف پورے جسم کی تکلیف ہوگی۔ اس لئے ہاتھ اس کو بچانے کے لئے اٹھے اور پاؤں وہاں سے بھاگنے کیلئے حرکت میں آئے، تو زندہ انسان کے سب اعضا میں ایک کوارڈینیشن ہوتی ہے۔

اب اگر اس انسان کے جسم سے روح کو نکال دیا جائے، تو آپ دیکھیں گی کہ

سب اعضاء ایک دوسرے سے اجنبی بن جائیں گے۔ جس انسان کی روح نکل گئی، اس کی زبان کو بھی کوئی آدمی اگر کاٹ دے، نہ آنکھوں سے آنسو آئیں گے، نہ اس کے منہ سے تکلیف کی آواز نکلے گی نہ ہاتھ پاؤں ہلیں گے اور نہ ادھر سے بھاگنے کی کوشش کریں گے، کیوں کہ جس چیز نے سب کو ایک بنایا ہوا تھا وہ رخصت ہوگئی، اب اعضاء سارے ایک دوسرے سے اجنبی ہوگئے۔ اگر کوئی انسان یوں سوچے کہ بندے کی روح تو نکل گئی، ہم اس کے منہ کو سیل کر دیتے ہیں اور اس کے ناک کے راستے سے اس کے اندر ہوا بھر دیتے ہیں، تو کیا ہوا بھرنے سے وہ انسان زندہ ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں روح کا قائم مقام اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔

گھر کا سیٹ اپ:

اب اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک گھر کو اپنے سامنے رکھیے! ہر گھر ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو اپنی پوزیشن، اپنے مقام کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ مثلاً باپ، باپ ہے، اس کی پوزیشن گھر میں کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔ ماں، ماں ہے، اس کی پوزیشن بیٹی نہیں لے سکتی، اس کی پوزیشن گھر میں کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔ بیٹی، بیٹی ہے، اس کا مقام ماں نہیں لے سکتی۔ بھائی، بھائی ہے، اس کا اپنا ایک مقام ہے جو کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔ تو ماں، باپ، بہن، بھائی یہ مل کر ایک گھر بن گیا، مگر ہر ایک کی اپنی ایک Identity (شناخت) ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ گھر ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، مگر اللہ رب العزت نے ان میں ایک نعمت کو اتارا جس کی موجودگی میں یہ افراد اس طرح مل کر ایک اور نیک بن کر کام کرتے ہیں، جس طرح روح کی موجودگی میں جسم کے اعضاء ایک بن کر کام کرتے ہیں۔ اس نعمت کا نام ہے ''دین''۔ لہٰذا جس گھر کے اندر دین ہوگا، نام کا

نہیں، عمل میں ہوگا، تو آپ دیکھیں گی کہ گھر کے لوگوں کے درمیان الفتیں اور محبتیں ہونگی اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ ایک فرد کی خوشی سارے گھر کی خوشی ہوگی اور ایک فرد کا غم سارے گھر کا غم ہوگا۔ یہ زندہ جسم کی طرح گھرانہ ہے۔ اور اگر دین کو گھر سے نکال دیا جائے تو جس طرح روح کی عدم موجودگی میں اعضا ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے ہیں، تو دین کی عدم موجودگی میں یہ سارے افراد ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح جسم میں ہوا بھر دی جائے تو جسم زندہ نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر گھر میں (انسان کے بنے ہوئے) کوئی اصول لاگو کر دیئے جائیں، کوئی ازم لاگو کر دیا جائے تو اس سے گھر کے اندر وہ محبتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

دلوں کا جوڑ:

اس دنیا میں اللہ رب العزت نے دو چیزوں کو جوڑنے کے لئے کوئی نہ کوئی تیسری چیز بنائی ہے۔ مثلاً دو اینٹوں کو جوڑنے کے لئے اللہ رب العزت نے سیمنٹ کو بنا دیا۔ لیکن لکڑی کے دو ٹکڑوں کو جوڑنے کے لئے سیمنٹ کام نہیں آئے گا، وہاں آپ کیل استعمال کریں گے چنانچہ لکڑی کے دو ٹکڑے بالکل یک جان ہو جائیں گے۔ اگر کاغذ کے دو ٹکڑے جوڑنے ہوں تو نہ سیمنٹ کام آئے گا، نہ کیل کام آئے گا، وہاں پر گلو Glue کام آئے گی۔ کپڑے کے دو ٹکڑے جوڑنے ہوں، نہ سیمنٹ کام آئے گا، نہ کیل کام آئے گا، نہ گلو کام آئے گی، وہاں پر سوئی دھاگہ کام آئیگا۔ تو دیکھیں! مختلف چیزوں کو جوڑنے کے لئے کوئی نہ کوئی اللہ نے تیسری چیز بنائی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو انسانوں کے دلوں کو جوڑنے کے لئے اللہ نے کیا چیز بنائی؟ تو اس کا جواب ''دین اسلام'' ہے۔ اگر وہ دونوں لوگ شریعت پر عمل کرنے لگ جائیں، نیکی تقویٰ پر عمل کرنے لگ جائیں تو اس نیکی کی وجہ سے اللہ ان کے دلوں میں خود بخود محبت پیدا

فرما دے گا۔ اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾

''جولوگ ایمان لائیں گے، نیک اعمال کریں گے ہم ان کے دلوں کے اندر محبتیں بھر دیں گے''

تو نیکی پر ہونا، دین پر ہونا، یہ آپس میں دلوں میں محبتیں ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے جو میاں بیوی دیندار ہوں تو ان کے درمیان مثالی محبتیں ہوتی ہیں، جو ماں باپ سب کے سب دیندار ہوں ان کے درمیان آپس میں مثالی تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے گھر کے اندر محبتوں کو پھیلانے کیلئے، خوشیوں بھری زندگی گزارنے کے لئے سب افراد کو دین پر زندگی گزارنی چاہیے۔ بیٹی بھی دیندار، بیٹا بھی دیندار، ماں باپ بھی دیندار، تو دین پر عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر محبتیں بھر دے گا۔ کفر کے ماحول میں ماں باپ اور اولاد کے درمیان وہ محبت ہرگز نہیں ہوتی جو دیندار گھرانوں کے اندر ہوتی ہے۔

گھریلو جھگڑوں کی نوعیت:

تاہم انسان، انسان ہے، غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں اگرچہ ماں باپ اور اولاد کے درمیان بہت محبتیں ہوتی ہیں، لیکن کہیں کہیں ہمیں جھگڑے بھی نظر آتے ہیں، اب ان جھگڑوں کی نوعیت دو قسم کی ہوتی ہے: ایک بہن بھائی کے درمیان لڑائی جھگڑا، اور دوسرا ماں باپ اور اولاد کے درمیان لڑائی جھگڑا۔

پہلا زاویہ

بہن بھائیوں کے درمیان جھگڑے

گھر کے جھگڑوں کا ایک زاویہ بہن بھائیوں کے آپس میں جھگڑوں کا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا (چونکہ بھائی بہن ہوتے ہیں یا بھائی بھائی ہوتے ہیں، ایک ماں باپ کی اولاد ہوتی ہے) تو نوجوانی کی عمر میں آپس میں ان کے درمیان ہنسی مذاق ہوتا ہے اور زیادہ تر یہی ہنسی مذاق ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے کی بنیاد بن جاتا ہے۔

بھائیوں کی عام طور پر عادت ہوتی ہے کہ بہنوں کو تنگ کرتے ہیں، مذاق کرتے ہیں، کسی کام پر ڈانٹ دیا، اس کے کام میں کوئی عیب نکال دیا، یا پھر کبھی اس کو دھکا دے دیا، اس کے بال کھینچ دیئے، الٹا جواب دے دیا یا بھری محفل میں اس کو مذاق بنا دیا۔ تو عام طور پر بھائی، بہنوں کے ساتھ ایسا کرتے رہتے ہیں۔ اب یہ جو کر رہے ہوتے ہیں وہ نفرت سے نہیں کر رہے ہوتے، محبت سے کر رہے ہوتے ہیں، لیکن چونکہ بچے ہوتے ہیں ہیں ان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کو دوسرا کیسے محسوس کرے گا؟ اب اس کے جواب میں بہن ہاتھ تو نہیں اٹھا سکتی، وہ زبان چلاتی ہے وہ پھر آگے سے کڑوی کسیلی سناتی ہے تو یوں لڑائی جھگڑے کی بنیاد بن جاتی ہے، بلکہ کئی مرتبہ تو بھائی اگر اپنی بہن کو مارنے لگتا ہے تو بہن آگے سے بددعائیں دینا شروع کر دیتی ہے۔ ویسے دیکھو تو ایک دوسرے کے ساتھ بہت محبت، لیکن عمر کے کچے پن کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا بھی بہت ہے۔ اچھا تم نے مجھے چیز نہیں دی تھی، میں تمہیں کیوں دوں؟ اس نے ایسے کہا تھا تو میں ایسے کیوں نہ کہوں؟ بس اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں، جن پر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کھٹک پیدا ہوتی رہتی ہے۔ تو بنیادی وجوہات اس کی:

(۱) ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق،

(۲) ایک دوسرے کے ساتھ حسد یا بدگمانی

ایک سوچتا ہے کہ ماں باپ اس کو ترجیح زیادہ دیتے ہیں، مجھے نہیں دیتے۔ بڑے بھائی کی بات تو سب مانتے ہیں، میری بات تو کوئی سنتا ہی نہیں۔ اس قسم کے جو خیالات ہیں، وہ آپس میں بھائی بہنوں کی لڑائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بھائیوں، بہنوں میں دو رشتے:

اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ ایک ماں باپ کی اولاد آپس میں الفتوں، محبتوں کی زندگی گزارے۔ لہٰذا اگر دو بھائی ہیں تو ان کو سمجھنا چاہیے کہ ہمارے درمیان ایک خون کا رشتہ بھی ہے اور دوسرا دین کا رشتہ بھی ہے۔ خون کے رشتے سے مراد یہ ہے کہ ماں باپ چاہیں گے کہ دونوں ہمارے بیٹے ہیں، یہ آپس میں محبت پیار سے رہیں۔ اور دین کے رشتے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں دونوں میرے بندے ہیں آپس میں محبت پیار سے رہیں۔ تو ان دونوں بھائیوں کو چاہیے کہ آپس میں اتنی محبت پیدا کر لیں کہ لوگ ان بھائیوں کو بھائی بھی سمجھیں اور ایک دوسرے کا دوست بھی سمجھیں۔ جب اللہ رب العزت اس رشتے داری پہ خوش ہوتے ہیں تو کیا ضرورت ہے محلے کے لوگوں کو دوست بنانے کی؟ کیا ضرورت ہے سکول میں دوست بنانے کی؟ ایک گھر میں اگر دو تین بھائی ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو دوست بنائیں، مدد لینی ہے تو بھی ایک دوسرے سے لیں، کھیلنا ہے تو بھی مل کر کھیلیں، کوئی کام کرنا ہے تو بھی مل جل کر کریں۔

کئی گھرانوں میں ایسا دیکھا گیا کہ بھائیوں کے اندر اتنی محبت ہوتی ہے، اتنی کوارڈینیشن ہوتی ہے کہ وہ بھائی، کم نظر آتے ہیں، دوست زیادہ نظر آتے ہیں، ہر ہم ایک دوسرے کے مشورے سے کرتے ہیں، ایک دوسرے کا اکرام کرتے ہیں،

عزت واحترام کرتے ہیں۔اس سے گھر کے اندر محبتیں بڑھتی ہیں،سکون بڑھتا ہے، پریشانیاں گھٹ جاتی ہیں۔

بھائی......دنیاوآخرت کے ساتھی:

اور سچی بات یہی ہے کہ دنیا ہو یا آخرت، بندے پر جب بھی مصیبت آئے تو یاد تو بھائی ہی آتے ہیں۔اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں سے، اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو حکم دیا:

﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝﴾ (طٰہ: ۲۴)

[جائیے! فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو رہا ہے]

تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سمجھے کہ یہ بہت بڑا بوجھ ہے مجھ اکیلے کے لئے اٹھانا مشکل ہوگا،اب اس بوجھ کو اٹھانے کے وقت ان کو اپنا بھائی یاد آیا۔کیا دعا مانگی۔

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ وَ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ ﴾ (طٰہ: ۲۵۔۲۸)

[اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی کی گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھ لیں]

پھر آگے کہا:

﴿ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی ﴾

(اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو آپ میرا وزیر بنا دیجئے)

تو دیکھئے! اس بوجھ کو اٹھاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بھائی یاد آیا۔اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ جب ایک آدمی کے گناہ زیادہ ہوں گے،نیکیاں تھوڑی ہوں گی، پریشان ہوگا، اسے کہا جائے گا کہ تم اپنے متعلقین سے نیکیاں لے سکتے ہو تو لے لو،تو یہ سب سے پہلے کس کی طرف رجوع کرے گا؟

قرآن مجید نے کہا۔

﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْه ﴾ (عبس: ۳۴)

بھائی کا نام سب سے پہلے آیا۔ تو اللہ رب العزت نے یہ ایک ایسا رشتہ بنایا ہے کہ دنیا آخرت میں انسان اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ہم خرماں و ہم ثواب:

تو جب اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ دو بھائی محبتوں سے رہیں، تو ہم آپس میں محبت سے رہیں، زندگی بھی اچھی گزرے گی اور نامہ اعمال میں نیکیاں بھی لکھی جائیں گی، اس کو کہتے ہیں ''ہم خرماں و ہم ثواب'' کھجوریں بھی کھاؤ اور ثواب بھی لو! ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کر دینا عظمت ہوا کرتی ہے۔ آپس میں ہنسی مذاق ہو جاتا ہے، ایک سیریس بیٹھا ہے، دوسرا خواہ مخواہ مذاق کر کے اس کو تنگ کر رہا ہے تو پھر آپس میں الجھ پڑتے ہیں، یہ غلط بات ہے۔ مذاق اس حد تک کرنا چاہیے جو دوسرا برداشت کر سکے۔ جب دوسرے کا دل دکھے تو ایسا مذاق اچھا نہیں بلکہ برا ہوا کرتا ہے۔ دوسرے کو چھیڑنا، اس کو کسی غلطی پہ عار دلانا، اس کا ریکارڈ لگانا، اس سے پھر دوسرے بندے کا دل دکھتا ہے۔

ہمارے بزرگوں نے ایک اصول بتایا، فرمایا: اگر اپنی عزت کرانا چاہتے ہو تو تم دوسروں کی عزت کرو! یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک تو مذاق ہی اڑاتا رہے اور دوسرا اس کی عزت کرتا رہے۔ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔ چھوٹا، بڑے کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے کہ وہ بڑا ہے، بڑا چھوٹے کے ساتھ شفقت رکھے کہ میرا بھائی ہے، مجھ سے چھوٹا ہے۔ جب ایک طرف سے شفقت ہوگی دوسری طرف سے عزت ہوگی تو آپس میں الفتیں، محبتیں بڑھ جائیں گی۔ تو بھلائی اور خیر خواہی کا رویہ اپنانے سے دلوں میں احترام پیدا ہوتا ہے۔

صلہ رحمی اور قطع رحمی

یہ جو آپس میں تعلق جوڑنا ہے اس کو شریعت نے ''صلہ رحمی'' کہا۔ صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ جن رشتے ناطوں کو شریعت نے کہا کہ ان کو مضبوط رکھا جائے، ان رشتوں کو آپس میں میل جول، لین دین، پیار محبت سے نبھایا جائے، اس کو 'صلہ رحمی' کہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ بولنا چھوڑ دینا، ملنا جلنا چھوڑ دینا، اس کو قطع تعلقی اور قطع رحمی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قطع رحمی ناپسند ہے اور صلہ رحمی پسند ہے۔

صلہ رحمی اور قطع رحمی دونوں کا بدلہ جلد ملتا ہے:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دو چیزوں کا بدلہ بہت جلدی مل جاتا ہے: توجہ سے سنیں اور نوجوان بچے اور بچیاں اس بات کو پلے باندھ لیں کہ دو چیزوں کا بدلہ انسان کو بہت جلدی ملتا ہے:

(۱) اگر آپس میں صلہ رحمی کرے تو اس کی برکتیں اس کی زندگی میں بہت جلدی ظاہر ہوتی ہیں

(۲) اگر کوئی بندہ قطع رحمی کرے، مثلاً کسی پر تکبر کا بول بول دیا یا ظلم کیا تو اس کا عذاب انسان کو بہت جلدی آنکھوں سے دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔

تو صلہ رحمی کا ثواب جلدی ملتا ہے، ظلم کا عذاب جلدی ملتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم آپس میں صلہ رحمی کے ساتھ رہیں۔

صلہ رحمی کے تین انعامات:

ایک حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ صلہ رحمی پر اللہ تعالیٰ بندے کو تین انعام عطا کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کے تین انعام

پہلا انعام...... اللہ تعالیٰ بندے کی عمر کو طویل کر دیتے ہیں لمبی عمر عطا کرتے

ہیں۔

دوسرا انعام...... اللہ رب العزت اس بندے کا رزق کشادہ فرما دیتے ہیں۔ کھلا رزق عطا فرما دیتے ہیں۔ صلہ رحمی کرنے والے کو کبھی بھی رزق کی تنگی میں اللہ نہیں ڈالتے۔

اور تیسرا انعام...... کہ صلہ رحمی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بری موت سے محفوظ فرما دیتے ہیں۔

تو موت بھی کلمے پہ نصیب ہوگئی، مال میں بھی برکت ہوگئی، عمر میں بھی برکت ہو گئی تو بتائیے کہ اس کے علاوہ بندہ اور کیا چاہتا ہے؟ اکثر ہمارے جو مسائل ہیں، یا صحت سے متعلق یا کاروبار سے متعلق یا دین سے متعلق، تو تینوں مسائل کا حل صلہ رحمی میں ہے۔ جب عمر طویل ہوگی تو اس کا مطلب یہ کہ صحت اچھی ہوگی۔ جب رزق کشادہ ہوگا تو اس کا مطلب قرضوں، مرضوں سے جان چھوٹ جائے گی، غیر کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ لینے والے کی جگہ بندے کو دینے والا بنائیں گے اور بری موت سے حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندے کو دین والی زندگی عطا فرمائیں گے تاکہ اس کی زندگی بھی محمود اور پھر اس کی موت بھی محمود ہو سکے۔ ان تین انعامات کو سامنے رکھیں! تو جی چاہتا ہے کہ بہن بھائی آپس میں مثالی محبت کی زندگی گزاریں۔ گھر میں بچوں کو یہ حدیث پاک سنائیں! اور اس کے فائدے ان کو کھول کھول کر بتائیں کہ دیکھو! تم آپس میں جھگڑتے ہو، ایک دوسرے کے ساتھ روٹھتے ہو، بول چال بند کر دیتے ہو، مار کٹائی کا معاملہ کرتے ہو، جبکہ اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ محبت پیار سے رہو پھر دیکھو کتنے بڑے بڑے انعام ملیں گے۔

جنت میں داخلہ آسان:

ایک اور حدیث پاک میں ہے، طبرانی شریف کی روایت ہے، نبی علیہ السلام

نے ارشاد فرمایا: جو بندہ چاہے کہ میرا حساب آسان ہو اور میں جلدی سے جنت میں داخل ہو جاؤں تو اس کو چاہیے کہ

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَنْ مَّنْ ظَلَمَكَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ

[جو تجھ سے توڑے اس سے جوڑ، جو تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کردے، عطا کر جو تجھ سے روک لے]

جو اس سے توڑے یہ اس سے جوڑے۔ یعنی جو بھائی بہن اس سے دور ہونا چاہے یہ اس کو قریب کرنے کی کوشش کرے، کوئی روٹھ جائے یہ اس کو منا لے، کوئی پریشان ہو تو یہ اس کی پریشانی کو ختم کرنے میں مدد کرے تاکہ دل ایک دوسرے کے ساتھ مزید منسلک ہو جائیں۔ فرمایا ''جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ''! یہ نہیں کہ جیسے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کوئی اچھا رہے گا تو ہم اچھے رہیں گے، اگر برا ہوگا تو ہم بھی برے بنیں گے، یہ تو تجارت ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ! یعنی جو تجھ سے دور ہونا چاہے تو اس کو اپنی محبت پیار سے قریب کرلے۔

دوسرا فرمایا ''جو تجھ پر ظلم کرے تو اللہ کے لئے اس کو معاف کردے''۔ لہٰذا بھائی بہنوں میں آپس میں کسی نے مذاق کردیا، زیادتی کردی، دوسرے کا دل دکھا دیا، گو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، مگر معاف کرنے والے کو چاہیے کہ جلدی معاف کردے تاکہ اللہ کی رحمتوں سے اس کو حصہ نصیب ہو۔

اور تیسرا فرمایا ''جو تجھے محروم کرے تو اس کو عطا کردے'' بہن بھائیوں میں یہ بھی مسئلہ ہوتا ہے، یہ چیز لایا تھا اس نے مجھے نہیں دی تھی، میں اس کو کیوں دوں؟ فلاں موقع پر اس سے کھلونا میں نے کھیلنے کے لئے مانگا تھا، کمپیوٹر کا کہا تھا کہ میں استعمال کرلوں، اس نے مجھے نہیں کرنے دیا تھا۔ تو فرمایا: جو تجھے محروم کرے تو اس کو

عطا کر دے۔ جو بندہ یہ تین کام کرے گا اس کا حساب آسان ہو گا اور وہ جنت میں جلدی داخل ہو جائے گا۔ یہ دین اسلام کتنا پیارا ہے! شریعت کے اندر کیا حسن ہے! کہ زندگی گزارنے کے اتنے بہترین اصول بتا دیئے گئے۔

اتنے فوائد......

اب اگر پہلی حدیث اور دوسری حدیث کو ملا کر دیکھیں تو معلوم یہ ہوا کہ جو بندہ صلہ رحمی کرے گا، اللہ رب العزت دنیا میں اس کو لمبی عمر دیں گے، دنیا میں اس کو فراخ رزق عطا کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کو ایمان پر موت عطا کریں گے اور چوتھی بات کہ قیامت کی رسوائی سے بچائیں گے اور آسانی سے اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے۔ تو یہ کیسا پیارا عمل ہے! کہ جس ایک عمل کے کرنے پر انسان سیدھا جنت میں جائے گا۔ تو نوجوان بچے بچیوں کو یہ احادیث سنا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کریں کہ آپس میں انہیں محبت پیار سے رہنا ہے۔

صلہ رحمی کے فوائد ہر ایک کے لیے:

آج کا عنوان چونکہ گھر کے جھگڑوں کا ہے۔ لہٰذا اس میں میاں بیوی کا نام آ رہا ہے نہ پڑوسی کا نہ کسی اور کا۔ صلہ رحمی میں تو وہ تمام رشتہ دار شامل ہیں جو شریعت نے قرار دیئے ہیں۔ تو فرمایا: صلہ رحمی اللہ رب العزت کو اتنی پسند ہے کہ گھر کے لوگ اگر گناہ گار بھی ہوں گے، اللہ ان کو صلہ رحمی کرنے کی وجہ سے مال اور اولاد کی کثرت عطا فرما دے گا۔ اللہ اکبر کبیرا۔ اس لئے آپ دیکھیں گی کہ کتنے لوگ ہوتے ہیں! ظاہر میں نماز کا اہتمام نہیں، رسم ورواج کی زندگی لیکن مال بھی خوب ہوتا ہے، اولاد بھی خوب ہوتی ہے۔ وجہ کیا کہ آپس میں وہ محبت و پیار سے رہ رہے ہوتے ہیں۔ اس عمل کی وجہ سے اللہ رب العزت ان کو مال میں بھی کثرت دے دیتا ہے، اولاد میں بھی

کثرت دے دیتا ہے۔ تو سوچیے! اگر گناہ گار بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں دے دیتا ہے تو جو نیکو کار بن کر زندگی گزاریں گے اور صلہ رحمی کریں گے، پھر اللہ رب العزت کی کتنی برکتیں ان کو نصیب ہوں گی۔

دوسرا زاویہ

ماں باپ اور اولاد کے جھگڑے

والدین کی روک ٹوک ناگوار لگتی ہے:

دوسرا زاویہ ماں باپ اور اولاد کے درمیان جھگڑوں کا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ، اولاد کی تربیت چاہتے ہیں، ان کو روک ٹوک کرتے ہیں۔ نوجوان بچوں کو روک ٹوک بری لگتی ہے۔ ماں نے کہہ دیا کہ بیٹی تم نے فلاں کے گھر نہیں جانا، اس کے روکنے میں کوئی حکمت ہو گی۔ اب بیٹی کو غصہ چڑھ گیا، امی تو پابندیاں ہی لگاتی رہتی ہے، باجی کو جانے دیتی ہے مجھے کیوں نہیں جانے دیتی؟ ماں نے کہا کہ بیٹی تم دوپٹے کا خیال نہیں رکھتی...... کیا مصیبت ہے، امی گھر میں بھی آرام سے نہیں رہنے دیتی؟ تو بجائے اس کے کہ بچی یوں کہے کہ ہاں امی! یہ اچھی عادت ہے، مجھے اپنانی چاہیے، اس کو پابندیاں نظر آتی ہیں۔ جب نفس کے اندر انانیت ہوتی ہے تو اصلاح کی ہر بات بندے کو بری لگتی ہے، ع

"میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے"

جو سمجھائے وہی دشمن نظر آتا ہے۔ فون اٹھایا، ماں نے کہہ دیا: بیٹی جب میں بھی موجود ہوں، تیرے بھائی بھی موجود ہیں تو گھر میں دوسرے لوگ فون اٹھالیں گے، آپ کیوں اٹھاتی ہو؟ بس اس پر جھگڑا۔ ماں نے کہہ دیا (دستر خوان پر بیٹھے ہوئے)

کہ فلاں چیز کم ہے لے کر آؤ!...... ہر وقت مجھے ہی کام کہا جاتا ہے، مجھے سکون سے امی کھانا بھی نہیں کھانے دیتی۔ تو نوجوانوں کی تھیوری بھی عجیب ہوتی ہے۔

روک ٹوک بچوں کے لیے رحمت ہے:

ماں باپ بچوں کے محسن ہوتے ہیں، وہ ان کو اچھی باتوں پر روک ٹوک کر رہے ہوتے ہیں، مگر یہ اس بات کو سمجھ نہیں رہے ہوتے۔ لہٰذا روک ٹوک سے دل کا تنگ ہونا یہ انتہائی بری بات ہے! روک ٹوک کو اپنے لیے بہتر سمجھنا چاہیے۔ نوجوان بچے یہ سمجھیں کہ شکر ہے ہمارے قریب کوئی تو ایسا ہے جو ہمیں غلطی ہونے سے پہلے (اس سے) بچا لیتا ہے۔ ہر بندے کو تجربات کرنے کی ضرورت نہیں۔ زندگی کے نفع ونقصان کے تجربے ہر کسی کو کرنے پڑیں تو مصیبتوں میں سے گزرنا پڑ جائے، ذلتیں اٹھانی پڑ جائیں، پریشانیاں سر پر کھڑی رہیں۔ اس لیے ہر ایک کو نفع ونقصان کے تجربے کرنے کی ضرورت نہیں۔ ماں باپ نے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے ہوتے۔ زندگی کے جو تجربے وہ کر چکے ہیں، اولاد کو چاہیے کہ ان سے فائدہ اٹھائے۔ ماں باپ کی بات کا لحاظ رکھے۔ اس لئے ماں باپ کی بات کو سننا اچھی عادت ہے اور ان کی بات کو درمیان میں کاٹ دینا، انتہائی بری بات ہے۔

بچوں کی عجیب نفسیات:

نوجوان بچوں کو یہ بھی دیکھا کہ ہر بچے کا دل چاہتا ہے کہ مجھے ہر مشورے میں شامل کیا جائے، کیونکہ ٹین ایجر ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ گھر کے مشورے میں ہماری بات ہی نہیں سنتے۔ مجھے کوئی پوچھتا ہی نہیں! یا چھوٹا کہتا ہے کہ جی بڑے بھائی سے تو پوچھ لیتے ہیں مجھ سے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں! یہ عمر ہی ایسی ہے کہ اس عمر میں بچہ چاہتا ہے کہ میری بات سنی جائے، مانی جائے۔ اب اگر مان لو تو بچے کے اندر

احساسِ برتری آجاتا ہے، وہ سمجھے گا کہ بس میری ہی بات مانی جاتی ہے، میں دوسروں سے سینئر ہوں۔ اور اگر نہ مانی جائے تو اس میں احساس کمتری آجاتا ہے، ڈیپریشن کا شکار ہوتا ہے۔ تو دونوں باتیں عجیب ہیں۔

تحمل مزاجی کی ضرورت:

اب یہاں تحمل مزاجی کام آتی ہے۔ ماں باپ عقل مندی کے ساتھ بچے کو ڈیل کریں، نہ اس میں احساس برتری پیدا ہونے دیں اور نہ اس میں احساس کمتری پیدا ہونے دیں۔ چونکہ عمر ایسی ہے کہ فوراً غصہ آتا ہے اور نوجوان بچوں کو جب غصہ آتا ہے تو لگتا ہے کہ کوئی سیلاب آگیا ہے۔ اسی وقت جدا ہونے کی باتیں کرتے ہیں، گھر سے نکل جانے کی بات کرتے ہیں، بس مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ ان کا غصہ ان کے کنٹرول میں ہی نہیں ہوتا۔

بچوں کی نشو ونما میں بڑوں کا کردار:

اب نوجوان بچوں سے یہ پوچھا جائے کہ آپ کو کس نے پال پوس کر بڑا کیا؟ جواب ملے گا: ماں باپ نے۔ بھئی ماں باپ کے ساتھ بڑے بہن بھائیوں کا بھی تو حصہ ہے، انہوں نے بھی تو ماں باپ کا ساتھ دیا۔ چھوٹے ہوتے ہیں تو بڑی بہن، ماں کی طرح اس کا خیال رکھتی ہے۔ جو قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں، وہ مورل سپورٹ دیتے ہیں۔ خالہ، پھوپھو، اور اس قسم کے جو بھی رشتے ہوتے ہیں، ان کی مورل سپورٹ ہوتی ہے۔ بچے خود بخود تو پل کر جوان نہیں ہو جاتے، ان کے بڑے اور جوان ہونے میں قریب کے لوگوں کا حصہ ہوتا ہے۔ تو جب چھوٹے تھے اور ہر کام میں دوسروں کے محتاج تھے، تب آخر کسی نے تو تمہارا خیال رکھا۔

تمہاری ماں راتوں کو جاگتی تھی۔ اس نے بچپن میں ولادت کے بعد سلیپ ایٹ

نائٹس گزاریں، کہ سال دو سال تک بچے عام طور پر راتوں کو جاگتے ہیں، روتے ہیں، ماں تھکی ہوئی بھی ہو تو اس کو بچے کی خاطر جاگنا پڑتا ہے۔ اور جو چھوٹے بچے ہوتے ہیں، ان کی تو ہم نے عجیب عادت دیکھی، اللہ کے فضل سے پورا دن وہ سوتے ہیں اور جب رات ماں باپ کے سونے کا وقت ہوتا ہے، اس وقت وہ جاگتے ہیں۔ اور میں اپنے دوستوں کو اکثر یہی کہتا ہوں کہ بچوں کی برکت ہے کہ آپ کو بھی تہجد پڑھنی نصیب ہو جاتی ہے۔ تو ماں باپ نے بھی آخر جاگ کے زندگی کی راتیں گزاری۔ پہلے بچے کو کھلایا، بعد میں ماں نے کھایا۔ پہلے بچے کو پلایا، بعد میں ماں نے پیا۔ پہلے بچے کو سلایا اور بعد میں ماں جا کر سوئی۔ کتنی اس کی قربانی تھی! تو آخر اس قربانی کا کوئی ریٹرن ہونا چاہیے تھا۔ کیا اتنا بھی اس ماں کا حق نہیں کہ وہ نوجوان بچے کو کوئی بات سمجھائے تو یہ اس کی بات کو تسلی سے سن لے؟ آج کل کے نوجوان تو بس ماں کو اللہ میاں کی گائے سمجھتے ہیں، لحاظ ہی نہیں کرتے۔

والدین کے بارے میں شریعت کا حکم:

آیئے دیکھئے! شریعت نے کیا کہا۔ قرآن عظیم الشان میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾

[کہ تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو]

ماں باپ دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

گو کہ ایک صحابی نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ فرمایا: ماں کے ساتھ۔ پھر پوچھا، کس کے ساتھ؟ فرمایا، ماں کے ساتھ۔ تیسری مرتبہ پوچھا، کس کے ساتھ؟ فرمایا، ماں کے ساتھ۔ چوتھی مرتبہ پوچھا، تو فرمایا: ہاں باپ کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرو۔ تو اس حدیث پاک سے یہ مطلب نکلا کہ

باپ کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا ہے مگر ماں کا اس سے بھی زیادہ خیال رکھنا ہے۔ اس لئے کہ ماں نے تکلیف زیادہ اٹھائی ہوتی ہے۔ ایک سال تو اس نے پیٹ میں اٹھایا ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد دو سال اس نے گود میں اٹھایا ہوتا ہے۔ ہر وقت بچے ہی میں مصروف ہوتی ہے، چوبیس گھنٹے کی خادمہ۔ کوئی ڈیوٹی تھوڑی ہوتی ہے! کہ آٹھ گھنٹے میں بچے کو اٹینڈ کروں گی اور پھر ڈیوٹی ختم نہیں۔ ماں باپ کے تو چوبیس گھنٹے اس کے لئے وقف ہوتے ہیں، بلکہ پہلے وقتوں میں جب آج کل کے ڈائپر نہیں ہوتے تھے اور بچے رات کو سردی کے موسم میں سوئے ہوئے اپنے بستر پر پیشاب کر دیتے تھے تو ہم نے ایسی مثالیں بھی سنیں کہ ماں بچے کو خشک بستر پر لٹا دیتی تھی اور گیلے بستر پر خود لیٹ جاتی تھی۔ اللہ اکبر کبیرا۔

ایک ماں کا مجاہدہ:

ہمارے قریبی رشتہ داروں میں ایک لڑکی نے نیت کر لی کہ اللہ نے مجھے بیٹا دیا ہے میں اس کو ہمیشہ باوضو دودھ پلاؤں گی۔ اللہ اکبر کبیرا۔ ہم نے جو اس کو دیکھا اتنا مجاہدہ، اتنا مجاہدہ! حیران رہ گئے۔ اس لئے کہ مدر فیڈنگ خود کرتی ہے اور اس نے کہا کہ میں نے نیت کی ہوئی ہے کہ باوضو پلاؤں گی۔ اب ہر وقت تو وضو نہیں رہتا، چلو دن میں تو گزارا ہو جاتا۔ سردی کی سخت ٹھنڈی راتوں میں بچے کو دودھ پلایا اور پلا کے وہ بیچاری لیٹی تو پانچ منٹ اس کی آنکھ لگی کہ بچہ پھر رونے لگا۔ اب گرم بستر میں سے اٹھ کر وہ جاتی اور باتھ روم میں وضو کر کے پھر آ کے دودھ پلاتی۔ پھر بچے کو فیڈ دیتی اور ابھی آدھا گھنٹہ بچہ نہیں سویا تھا کہ پھر رونا شروع کر دیا۔ اللہ کی شان کہ بچی کو پھر وضو کے لئے جانا پڑا۔ ایک ایک رات میں وہ بچی پندرہ پندرہ دفعہ جا کر وضو کر کے آتی۔ سوچیں! وہ بچی رات کو کیا سوتی ہوگی؟ اسی طرح سفر میں بچے کے لیے وضو کا قائم رکھنا کتنا مشکل کام ہے۔ کس کس جتن سے اس نے اپنے اس بیٹے کو دودھ پلایا!

یہی سوچ سوچ کر مجھے حیرت ہوتی ہے اور دل کہتا ہے کہ واقعی اللہ رب العزت نے جو ماں کا یہ مقام بتایا، یہ اس ماں کا حق بنتا ہے۔

ماں کا مقام:

اسی لئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت شب قدر میں بڑے بڑے گناہ گاروں کی مغفرت فرما دیتے ہیں لیکن جو ماں باپ کا نافرمان ہوتا ہے، شب قدر میں بھی اللہ اس کی مغفرت نہیں فرمایا کرتے۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک صحابی آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! مجھ سے بڑا گناہ سرزد ہو گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ! اپنی ماں سے دعا کروالو۔ اس نے کہا، اے اللہ کے نبی میری ماں تو فوت ہو چکی۔ پوچھا، تمہاری خالہ ہے؟ جی وہ زندہ ہے، فرمایا: جاؤ خالہ سے دعا کروالو، اللہ تمہارے بڑے گناہ کو بخش دے گا۔ سوچیے! جب کبیرا گناہوں کو اللہ تعالیٰ ماں کے ہاتھ اٹھنے پر معاف فرما دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ماں کا کیا مقام ہو گا؟ اس لئے جو شخص اپنے ماں باپ سے حسن سلوک کرتا ہے، اللہ رب العزت اس بندے کی زندگی میں برکتیں عطا فرماتے ہیں۔

ادلے کا بدلہ:

حدیث پاک کا مفہوم۔ سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں! جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرتا ہے، اس کی آنے والی اولاد کل اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے گی۔ یہ ہے ''ادلے کا بدلہ''۔ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''۔ جو نوجوان لڑکے لڑکیاں، آج اپنے ماں باپ کی خدمت کریں گے کل جب ان کی شادیاں ہوں گی اور وہ خود ماں باپ بنیں گے، اللہ ان کو بھی فرمانبردار اولاد عطا فرمائیں گے۔ کیا مزے کی بات ہے! تو اس لئے نوجوان بچے بچیوں کو چاہیے کہ

خدمت کر کے ماں باپ کو راضی کریں تا کہ ان کی اولاد ان کو راضی کرے اور اس کے ذریعے سے اللہ رب العزت بھی ان سے راضی ہو جائیں۔

ماں باپ فوت ہو جائیں تو......

اس لئے شریعت نے کہا کہ ماں باپ اگر فوت ہو جائیں تو بندے کو چاہیے کہ جو ماں باپ کے تعلق والے تھے، انسان ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے۔ مثلاً ایک بندہ کہتا ہے: میں اپنی ماں کی خدمت نہ کر سکا، فوت ہو گئی، تو بھئی اب آپ اپنی خالاؤں کی خدمت کرو۔ جی خالہ بھی کوئی نہیں تو بھئی ماں جن سے تعلق رکھتی تھی جن کو وہ اپنے قریبی سمجھتی تھی، اگر ان کا اکرام کرو گے تو تمہیں اپنی والدہ کا اکرام کرنے کا ثواب دیا جائے گا۔

والدین کی خدمت کا صلہ:

یہ عمل اللہ رب العزت کو اتنا پسند ہے کہ انسان کو دنیا کی مصیبتوں سے بھی بچاتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ بنی اسرائیل کے تین بندے سفر پر نکلے، بارش ہوگئی تو اس سے بچنے کیلئے وہ غار کے اندر چلے گئے۔ بارش کی وجہ سے ایک بڑی چٹان گری اور غار کے منہ کے اوپر آ گئی۔ اتنی وزنی تھی کہ تینوں نے مل کر زور لگایا، مگر وہ ہلتی ہی نہ تھی۔ اب کوئی وہاں تھا ہی نہیں جو ان کی مدد کرے، تینوں زور لگا لگا کر جب تھک گئے، عاجز آ گئے، تو اب ان کو موت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگ گئی، کہ غار کا منہ بند ہے، ہم بھوکے پیاسے ایڑیاں رگڑ کر یہیں مر جائیں گے۔ اس وقت انہوں نے سوچا کہ اللہ رب العزت کے سامنے کوئی اپنے عمل پیش کرو! جن عملوں کو قبول کر کے اللہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے عمل پیش کیے۔

ان میں سے ایک نے یہ کہا کہ میں بکریاں چراتا تھا اور جب گھر واپس آتا تو میں اپنی والدہ کو دودھ دیا کرتا تھا۔ ایک رات جب میں آیا تو والدہ سو چکی تھی، میں دودھ لے کر کھڑا رہا کہ والدہ کی آنکھ کھلے گی تو میں دودھ دوں گا۔ یا اللہ! وہ پوری رات سوئی رہیں، ان کی آنکھ نہیں کھلی، اور میں پوری رات ہاتھ میں دودھ کا گلاس لے کر انتظار کرتا رہا۔ اگر یہ میرا عمل آپ کو پسند ہے ہمیں اس مصیبت سے نجات دیجئے! تو اس عمل کی برکت سے اللہ رب العزت نے تیسرا حصہ (غار کا جو منہ تھا) وہ کھول دیا۔

پھر دوسرے نے اپنا عمل پیش کیا کہ میری ایک کزن تھی، میرا اس کے ساتھ نفسانی، شہوانی تعلق تھا۔ میں نے کسی بہانے سے اس کو زنا پر آمادہ کرلیا، جب میں زنا کرنے لگا تو اس وقت اس نے مجھے کہا کہ تم اللہ کی مہر کو کیوں توڑتے ہو؟ جو چیز شریعت میں تمہارے لئے حرام ہے، تم اس کا ارتکاب کیوں کرتے ہو؟ اس کی بات میرے دل پر ایسی بیٹھ گئی کہ موقع کے باوجود میں نے اس کو بھیج دیا اور اس گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ اس عمل کو اللہ قبول کر لے! چنانچہ اس عمل کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ایک تہائی اور غار کا منہ کھول دیا۔

پھر تیسرے نے اپنا عمل پیش کیا کہ میں نے بکریاں پالیں، میرا ایک پارٹنر تھا، کچھ عرصے کے بعد وہ چلا گیا، میں اس کے مال کو اسی طرح بڑھاتا رہا، کئی سالوں کے بعد جب وہ آیا اور اس نے مانگا تو میں نے اس کا پورا مال اسے دے دیا۔ وہ حیران ہو گیا اور سارا مال لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! میں نے آپ کے لئے یہ عمل کیا، اگر یہ آپ کو پسند ہے تو ہمیں نجات دیجئے! تو وہ چٹان منہ سے ہٹ گئی اور اللہ رب العزت نے تینوں کو اس مصیبت سے نجات عطا کر دی۔

اپنے فرائض کا خیال رکھیں:

اب یہاں یہ بات سوچنے کی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک بھی، ان

اعمال میں سے ایک ہے کہ جن اعمال کا واسطہ دیا جائے، اس عمل کی برکت سے اللہ بندے کو دنیا کی مصیبتوں سے بھی بچا دیتے ہیں۔ اس لئے نوجوان بچوں کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے ماں باپ کی خدمت کریں، ان کی دعائیں لیں اور ماں باپ کو بھی چاہیے کہ وہ اولاد کے ساتھ پلنگ اور چارپائی والا معاملہ نہ کریں کہ ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھ دی، ذرا سی بات پر ڈانٹ پلا دی۔ وہ بھی ان کو انسان سمجھیں، ان کی بات کو سنیں اور ان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ زبردستی اپنی رائے بچوں پر ٹھونسنے کی بجائے، ان بچوں کو سمجھانا چاہیے، نفع ونقصان بتانا چاہیے، تاکہ بچے اپنی خوشی کے ساتھ ایک کام کو کررہے ہوں۔ تو ماں باپ کو بھی اس کا خیال کرنا چاہیے۔

اور اولاد کو بھی خیال کرنا چاہیے۔ اگر بالفرض ماں باپ خیال نہیں کر پاتے تو کیا پھر بھی نوجوانوں کو خیال نہیں رکھنا چاہیے؟ شریعت کہتی ہے کہ ماں باپ نے اگر خیال نہ بھی رکھا تمہیں اجر تب ملے گا جب تم اس کے باوجود ان کی خدمت کرو گے۔ حیرت کی بات ہے کہ شریعت کہتی ہے: ماں باپ اگر کافر ہیں اور مشرک ہیں۔

﴿ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾

[تم اس دنیا میں ان کے ساتھ پھر بھی اچھائی کا معاملہ کرو]

تو کافر اور مشرک ماں باپ کے ساتھ اگر اچھائی کا حکم ہے تو جو ایمان والے ماں باپ ہیں، جنہوں نے بچے کو چھوٹی عمر میں کلمے کی نعمت دے دی، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کو کتنا پیارا ہوگا؟

لہٰذا اگر بہن بھائی آپس میں محبت و پیار سے رہیں۔ اولاد، ماں باپ کے ساتھ محبت و پیار سے رہے، ان کی خدمت کرے، تو گھر پھر ایک جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گھر میں عزتیں بھی دیتے ہیں، صحت دیتے ہیں، رزق میں برکتیں اولاد میں برکتیں، موت بھی آتی ہے تو ایمان پر اور آخرت میں بھی حساب آسان اور

جنت میں جانا آسان۔تو اس عمل پر دیکھئے! اللہ رب العزت کی کتنی رحمتیں ہوتی ہیں؟

اللہ کی رضا، والدین کی رضا میں ہے:

یہ پکی بات ہے کہ اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے۔ جب تک والدین راضی نہ ہوں گے، بندے کے اعمال بھی قبول نہ ہوں گے۔ ہمارے قریب کے ایک دیہات میں ایک واقعہ پیش آیا جو سنا کر یہ عاجز اپنی بات کو مکمل کرتا ہے۔ امید ہے کہ نوجوان بچے اور بچیاں اس بات کو دل کے کانوں سے سنیں گے۔

دیہاتی علاقے میں بوڑھے ماں باپ تھے، اللہ نے بڑھاپے میں ان کو اولاد عطا کردی۔ بچے کو انہوں نے پڑھایا، بچہ ذہین تھا، حتیٰ کہ وہ بچہ پڑھ لکھ کر انجینئر بن گیا۔ اب جب وہ انجینئر بنا تو شہر کے اندر اس کو بڑی اچھی نوکری مل گئی، کوٹھی مل گئی، کار مل گئی۔ اس نے ماں باپ کو کہا: جی آئیں! میرے ساتھ شہر میں رہیں۔ وہ بیٹے کے پاس شہر میں آ گئے۔ ماں باپ چونکہ دیہات میں رہنے کے عادی تھے، رشتے داریاں وہیں تھیں اور آزاد فضا تھی اور وہ اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو چکے تھے۔ وہ کچھ دن تو شہر میں رہے لیکن رشتہ داروں کی خوشی غمی میں بار بار گاؤں جانا پڑتا تھا۔ تو ماں باپ نے کہا کہ بیٹے! ہم سے بار بار یہ سفر نہیں ہوتے، ہمیں آپ وہیں دیہات میں رہنے دو۔ آپ نے اگر رہنا ہے تو آپ شہر میں رہ لو، آتے رہنا، ہم سے ملتے رہنا۔

چنانچہ اس طرح بیٹے نے شہر میں رہنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے سوچا کہ بھئی اب ہر طرح سے میں سیٹ تو ہو ہی چکا ہوں تو مجھے شادی کروا لینی چاہیے۔ شہر کے ایک بڑے معزز گھرانے کی ایک خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی کا پتہ چلا، اس نے ان کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا۔ ماں باپ سے پوچھا، ماں باپ نے کہا کہ بیٹے! زندگی آپ نے گزارنی ہے جہاں آپ خوش ہوں گے ہم بھی وہیں خوش ہوں گے۔ اس کی شادی بھی ہوگئی۔

اب شادی کے بعد یہ اپنی بیوی کو گھر لے کر آیا، تو بیوی کچھ عرصہ تو اس کے ماں باپ کو ملنے دیہات میں جاتی رہی۔ پھر جب بچوں کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں تو آنا جانا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ماں باپ اس بچے کو کہتے کہ آپ ہمارے پاس ہفتے میں ایک دفعہ آ کر مل جایا کرو۔ یہ ایک دفعہ ملنے چلا جاتا۔ اب بندہ ہے، کئی دفعہ پلاننگ کرتا ہے کہ میں دو گھنٹے میں آ جاؤں گا اور دو گھنٹے کی جگہ چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ تو جب اس طرح ذرا دیر ہونی شروع ہوئی تو بیوی کو بھی برا لگا، وہ پھر بولنا شروع ہو گئی۔ جیسے عورتوں کی ایک لینگویج ہوتی ہے۔ اب یہ نوجوان شریف النفس تھا۔ اپنی بیوی کو سمجھاتا، وہ بھی امیر گھرانے کی تھی، اور آگے سے بات کو بڑھا دیتی تھی، خواہ مخواہ کا بحث مباحثہ آپس میں ہو جاتا، اور یہ ہر ہفتے کا مسئلہ ہوتا۔ دو چار سال گزرے۔ تو اب بیوی جو تھی وہ ماں باپ کے پاس جانے سے الرجک ہو گئی۔ جب یہ جانے لگتا تو وہ ہنگامہ کر دیتی۔ یہ پریشان کہ وہاں نہ جاؤں تو ماں باپ ناراض، اور اگر جاؤں تو یہاں بیوی ناراض۔ سوچتا تھا کہ میں کیسے اس مصیبت سے جان چھڑاؤں؟

اتنے میں اس کو سعودی عرب سے ایک جاب آفر آ گئی۔ بہت معقول پیکج تھا۔ اس نے ماں باپ کو جا کر بتایا کہ مجھے تو سعودی عرب میں نوکری مل رہی ہے۔ ماں باپ بڑے خوش ہوئے، بیٹے! ہمارا اللہ حافظ ہے تم اس دیس میں جاؤ گے، اللہ کا گھر دیکھو گے، بیٹے! ہمارے لئے یہی خوشی کافی ہے۔ ماں باپ نے اجازت دے دی۔ یہ بیوی بچوں کو لے کر مکہ مکرمہ آ گیا۔ اس زمانے میں ٹیلی فون تو زیادہ ہوتے نہیں تھے۔ بس حج اور عمرے پر جو لوگ آتے تھے انہی کے ذریعے پیغام رسانی ہوتی تھی۔ یا کوئی چیز ایک دوسرے کو پہنچا دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ نوجوان شروع میں ان کے لئے خرچہ بھی بھیجتا رہا اور کبھی کبھی صحت خوشی کے پیغام بھی بھیجتا رہا، لیکن تیرہ سال یہ وہیں پر رہا اور اپنے والدین کی طرف واپس نہ آ سکا۔ نیک تھا، ہر سال حج کرتا تھا۔ ایک

مرتبہ حج کے دوسرے تیسرے دن یہ مطاف میں کھڑا تھا، بیت اللہ کے سامنے زارو قطار رو رہا تھا۔ کسی اللہ والے نے دیکھا، پوچھا نوجوان! کیا ہوا، کہتا ہے کہ مجھے تیرہ سال ہو گئے ہیں، ہر دفعہ میں حج کرتا ہوں لیکن حج کے دو تین دن کے بعد میں خواب دیکھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے ''تیرا حج قبول نہیں'' اور میں پریشان ہوں کہ پتہ نہیں کون سی مجھ سے ایسی غلطی ہوتی ہے کہ میرا حج اللہ کی بارگاہ میں قبول ہی نہیں؟ وہ اللہ والے تھے، بندے کی نبض پہچانتے تھے، انہوں نے دو چار باتوں میں گیس کر لیا، کہ اس نے تیرہ سال سے ماں باپ کو شکل ہی نہیں دکھائی، ان کے پاس گیا ہی نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ بوڑھے ماں باپ اس پر خفا ہوں گے۔ انہوں نے بات سمجھائی کہ بیٹے! جاؤ! ماں باپ زندہ ہیں ان کی خیر خبر لو، پھر واپس آنا۔ خیر یہ آیا اور اس نے آکر فوراً اپنی ٹکٹ بک کروالی۔ بیوی نے کچھ آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوشش کی، مگر یہ نوجوان بھی سیریس تھا اس نے اس کو بھی شیر کی آنکھیں دکھائیں۔ جب بیوی نے دیکھا کہ یہ بہت سیریس نظر آتا ہے تو چپکے سے ڈر کے مارے بھیگی بلی بن کر بیٹھ گئی۔

خیر اس نے تیاری کی اور واپس اپنے ملک آیا، اب جب اپنے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نوجوان کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ میرے ماں باپ اس وقت زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ اب یہ سوچ رہا ہے کہ پتہ نہیں میرے ماں باپ کس حال میں ہیں؟ تیرہ سال گئے ہوئے ہو گئے تھے۔ اس کو ایک نو دس سال کا لڑکا ملا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ وہ فلاں بڑے میاں کا کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ بڑے میاں تو چھ مہینے ہوئے فوت ہو گئے، البتہ وہ بوڑھی عورت ابھی زندہ ہے، گھر میں ہے اور بڑی بیمار ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ان کا ایک بیٹا ہے جو سعودی عرب گیا ہوا ہے، پتہ نہیں وہ کیسا نامعقول بیٹا ہے جو اپنے ماں باپ کی خبر ہی نہیں لیتا۔ بچہ بات کر کے چلا گیا لیکن اس نوجوان کے دل کی تار کو چھیڑ گیا۔ اب اس کو احساس ہوا، او ہو! والد دنیا سے چلے گئے،

میں نے آخری وقت میں ان کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ اب تو امی مجھ سے ناراض ہوگی اور امی تو میرا چہرہ ہی نہیں دیکھے گی، امی تو مجھے گھر سے ہی نکال دے گی، میرے ساتھ بات ہی نہیں کرے گی۔ اب یہ سوچ رہا ہے کہ میں امی کو کیسے مناؤں گا؟ مغموم دل سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ بالآخر جب اس نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر دیکھا، تو دروازہ کھلا ہوا تھا، کواڑ ملے ہوئے تھے۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا، اندر داخل ہوا، کیا دیکھتا ہے کہ صحن میں چارپائی کے اوپر اس کی بوڑھی بیمار والدہ لیٹی ہوئی ہیں۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی، وہ چارپائی کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کو خیال آیا کہ کہیں امی سو نہ رہی ہو، تو میں پہلے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب جاتا ہوں۔ چونکہ اس کی والدہ کی آنکھوں پر موتیا آچکا تھا، جب وہ دبے پاؤں بالکل قریب پہنچا تو حیران ہوا کہ اس کی والدہ کے اس وقت ہاتھ اٹھے ہوئے تھے اور وہ کچھ الفاظ کہہ رہی تھی، گویا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہی تھی۔ اس نے جب قریب ہوکر سنا تو ماں یہ الفاظ کہہ رہی تھی، یا اللہ! میرا خاوند دنیا سے چلا گیا، میرا ایک ہی بیٹا ہے جو میرا محرم ہے، اللہ! اسے بخیریت واپس پہنچا دینا، تاکہ اگر میری موت آئے تو مجھے قبر میں اتارنے والا کوئی تو میرا محرم موجود ہو۔ ماں یہ دعائیں مانگ رہی ہے اور بیٹا سمجھتا ہے کہ ماں مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔ اس نے جب ماں کے یہ الفاظ سنے اس نے فوراً کہا، امی! میں آگیا ہوں، تو ماں چونک اٹھی، آواز سنتے ہی بولی: میرے بیٹے! آ گئے، جی امی! میں آگیا ہوں۔ ماں کہنے لگی: بیٹے! ذرا قریب ہو جانا، میں تمہاری شکل تو دیکھ نہیں سکتی، مجھے اپنا بوسہ ہی لینے دو، مجھے اپنے جسم کی خوشبو سونگھنے دو، یہ ماں کی محبت ہوتی ہے۔ خیر یہ بیٹا دو چار دن وہاں رہا، اللہ کی شان کہ ماں بیمار تھی، چند دنوں میں فوت ہوگئی۔ اس نے اپنی والدہ کو دفنایا کفنایا اور اس ذمہ داری سے فارغ ہوکر، کچھ عرصے کے بعد یہ واپس مکہ مکرمہ آ گیا۔

کہتے ہیں، اگلے سال جب حج کا موقع آیا، اس نے حج کے دوسرے دن پھر خواب دیکھا، جس شخص کو دیکھتا تھا اس نے دیکھا کہ وہی ہے اور اس کو کہہ رہا ہے: اللہ نے تیرے اس حج کو بھی قبول کرلیا اور تیرے پچھلے تیرہ حجوں کو بھی قبول کرلیا۔ جب ماں باپ کیساتھ حسنِ سلوک سے اللہ رب العزت بندے کے عملوں کو قبول کر لیتے ہیں اور اس کے ساتھ رحمتوں کا معاملہ کرتے ہیں تو نوجوانوں کو چاہیے کہ گھروں میں نہ آپس میں الجھیں، نہ ماں باپ کی بے قدری کریں۔ ماں باپ شفقتوں والا معاملہ کریں، اولاد خدمت کا معاملہ کرے۔ سب محبت پیار کے ساتھ رہیں لڑائی جھگڑے سے بچیں۔ یہ فساد ہے اور۔

﴿ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾

اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک بن کر اور ایک بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سسرال کے جھگڑے
از افادات
پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

سسرال کے جھگڑے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادْ ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلٰى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

آج کا عنوان:

مسلمان معاشرے میں ہر فرد کو الفت ومحبت کی زندگی گزارنی ہوتی ہے۔ حسنِ اخلاق کے ذریعے، ایثار کے ذریعے، دوسرے بندے کو خوشیاں پہنچانی ہوتی ہیں، لیکن ہم آجکل اپنے گھروں میں دیکھتے ہیں کہ ہر گھر کے اندر کہیں نہ کہیں جھگڑا اور فساد ہے۔ تو اس رمضان المبارک میں اس عنوان پر مستقل بات کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ اب تک ہم یہ بیان کر چکے کہ بچوں کے آپس میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں، بڑوں کے آپس میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ اولاد اور ماں باپ کے درمیان جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ آج کا عنوان ہے ''سسرال کے جھگڑے''۔

پیچیدہ عنوان:

یہ اتنا پیچیدہ عنوان ہے کہ رسی کی ڈور کا سرا پکڑنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔

Multiple factor (کئی پہلو) اس میں involve (شامل) ہوتے ہیں، مگر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سسرال میں ایک کھینچا تانی کا ماحول ہوتا ہے۔ ساس سے پوچھو تو وہ اپنی جگہ سچی، بہو سے پوچھو وہ اپنی جگہ سچی، نندوں سے پوچھو تو وہ اپنی جگہ سچی، سچی بھی سب ہوتی ہیں اور پریشان بھی سب ہوتی ہیں۔ تو آخر کوئی نہ کوئی تو بات ہوتی ہے کہ یہ گھر کے اندر Tension (تناؤ) کی کیفیت ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی غیبتیں ہو رہی ہوتی ہیں، اختیارات کی جنگ ہو رہی ہوتی ہے۔ گھر پرسکون ہونے کی بجائے، دنگا اور فساد کا ماحول نظر آتا ہے۔

سسرال......لڑکی کا اصلی گھر:

ہر لڑکی کو ذہن میں یہ بات سوچنی چاہئے کہ میرا اصلی گھر سسرال ہے۔ بیٹی ہمیشہ پرائے گھر کی امانت ہوتی ہے، ماں باپ گو اسے پالتے ہیں لیکن بالآخر اسے دوسرے کا گھر جا کر بسانا ہوتا ہے۔ اس لئے بچی کے ذہن میں شروع سے یہ بات ڈالنی ہوتی ہے کہ اپنا گھونسلہ اپنا...... کچا ہو یا پکا۔ جب بچی شروع سے ہی گھر بسانے کی نیت لے کر جائے گی تو وہ گھر میں موجود جو پہلی خواتین ہیں، ان کے ساتھ اچھا تعلق بنا کر رکھے گی اور محبت پیار کے ساتھ رہے گی۔ گھر میں پہلے سے موجود خواتین کو چاہئے کہ وہ اس نئی آنے والی بچی کو اپنے گھر کا ایک فرد سمجھیں۔ اتنی قربانی کر کے آئی، ماں باپ کو چھوڑا، بہن بھائی کو چھوڑا، میکے میں جہاں رہتی تھی وہاں اپنی سہیلیوں کو چھوڑا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اگر اس نے قربانی کی اور اپنے خاوند کی خاطر یہاں آ گئی تو اس قربانی کی بھی تو آخر کوئی Value (قدر) ہوتی ہے۔ اگر سب لوگ اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں تو ان جھگڑوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ عام طور پر جب کسی بچے کی شادی ہوتی ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر رہتا ہے اور بچی کو ایک آباد گھر کے اندر آنا پڑتا ہے، یہ اس کی ضرورت بھی ہے، لیکن یہاں آ کر اس کو

ایڈجسٹمنٹ کا مسئلہ ہوتا ہے۔

جھگڑوں کی بنیادی وجوہات

اب ہمیں پہلے یہ سوچنا ہے کہ یہ جھگڑوں کی بنیادی وجوہات کیا ہوتی ہیں تاکہ ان وجوہات کو ختم کیا جا سکے۔

ساس کی طرف سے جھگڑوں کے اسباب:

تو سب سے پہلے ساس کی طرف سے جھگڑوں کے اسباب۔

(۱) بدگمانی:

ساس کی طرف سے جھگڑوں کے اسباب میں سے پہلا سبب ''بدگمانی'' ہوتا ہے کہ ساس کے دل میں ایک fear of unknown (انجانا خوف) ہوتا ہے کہ یہ آنے والی لڑکی، کہیں میرے بیٹے کے دل پر قبضہ نہ کرلے اور اس کو لے کر کہیں دور نہ چلی جائے، لہٰذا جب وہ دیکھتی ہے کہ میاں بیوی آپس میں محبت کے ساتھ رہ رہے ہیں تو ایسے حربے استعمال کرنا شروع کرتی ہے کہ میاں بیوی کی محبت زیادہ پکی نہ ہو۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے کو اس کی بیوی کے بارے میں شکایتیں لگانا شروع کر دیتی ہے، تاکہ اس بڑھتی محبت کو کم کر سکے۔ ذہن میں اس کے یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر اس لڑکی نے میرے بیٹے کے دل پر قبضہ کرلیا تو یہ مجھے دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال کر باہر پھینک دے گی۔ لہٰذا محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے۔

(۲) حکمرانی:

دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بہو کے آنے سے پہلے ساس اپنے گھر میں All in all (سب کچھ) ہوتی ہے اس کا حکم چلتا ہے وہ گھر کی مالک ہے، بڑی ہے۔ جب بہو آتی

ہے تو ساس اپنی اس حکومت کے اندر کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتی، لہٰذا اس کی کوشش ہوتی ہے کہ آنے والی لڑکی میری باندی بن کر رہے۔ خاوند کی بجائے میرے اشاروں پر چلے، جو میں چاہوں اس گھر میں وہی ہو۔ بعض گھروں میں ہم نے یہ بھی سنا کہ ساس کی حکومت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ اگر بہو کو کوئی چیز کھانی اور پینی ہے تو فرج کا دروازہ کھولنے سے پہلے ساس سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اب اگر آنے والی کسی بچی کو اس طرح محکوم بنا دیا جائے کہ فرج میں کھانے پینے کی چیزوں میں بھی اس کا اختیار نہیں تو پھر جھگڑے نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

اب بیوی اپنے خاوند کے لئے تو ہر قربانی برداشت کر لیتی ہے، لیکن بے جا دوسرے بندے کا اس کی Personal life (ذاتی زندگی) کے اندر اتنا دخل انداز ہونا اس کو بھی برا لگتا ہے۔ چنانچہ یہ آپس میں جھگڑے کی دوسری وجہ بن جاتی ہے۔

(۳) بیٹے کی کمائی پر استحقاق:

تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ ماں یہ سمجھتی ہے کہ بیٹا جو کمائی کر رہا ہے وہ ساری کی ساری میری ہے، بہو یہ سمجھتی ہے، میرے میاں کی کمائی ہے، اس میں میرا بھی حق ہے۔ چنانچہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا پیدا ہونے کی تیسری وجہ ہوتی ہے۔

(۴) بداعتمادی:

پھر چوتھی وجہ ساس کے دل میں یہ ڈر اور خطرہ بھی رہتا ہے کہ یہ بہو ہمارے گھر کی چیزیں اور پیسے اپنے میکے نہ بھیجے، اپنی بہن کو، اپنی سہیلیوں کو نہ بھیجے۔ چنانچہ اس پر بھی وہ شک کی نظر سے اس کو دیکھتی ہے اور کئی دفعہ اس پر تلخی بھی ہو جاتی ہے۔

(۵) ساس کی تلخ مزاجی:

آپس کی رنجش کی بنیادی وجہ ساس کی تلخ مزاجی اور بڑھاپہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی

جوانی کی زندگی گزار چکی ہوتی ہے اور بھول جاتی ہے کہ آنے والی بچی، نوجوان ہے، اس نے اپنے میاں کے ساتھ ابتدائی طور پر زیادہ وقت گزارنا ہوتا ہے۔ تو شادی کے دنوں میں جب میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ وقت گزارتے ہیں تو ماں سمجھتی ہے کہ مجھے تو Ignore (نظر انداز) ہی کیا جا رہا ہے، حالانکہ اس میں نظر انداز کرنے والی کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔

چنانچہ کئی مرتبہ ساس اپنے بیٹے کو کہتی ہے کہ تم پہلے رات کو میرے پاس آکر بیٹھا کرو! اور پھر رات کو دیر سے اسے اپنے کمرے میں سونے کے لئے جانے دیتی ہے، اور صبح بھی بہت جلدی اپنی بہو کو ناشتہ بنانے کے نام پر اس کے کمرے سے بلا لیتی ہے۔ یہ جو میاں بیوی کی زندگی میں دخل اندازی ہو رہی ہوتی ہے یہ بھی آپس کی ٹینشن کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ وہ وجوہات ہیں جو عام طور پر ساس کی طرف سے ہوتی ہیں۔

نندوں کی طرف سے جھگڑے کے اسباب:

بعض اوقات نندوں کی طرف سے بھی اس لڑائی جھگڑے کے اسباب ہوتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بھابھی کے آنے سے پہلے نندیں اپنے گھر کے اندر بیٹیاں ہوتی ہیں، بے پرواہی کی زندگی گزارتی ہیں، کوئی اونچ نیچ کر بھی لیں تو ماں ہے، باپ ہے اور بھائی ہے، سب اس کی غلطیوں کو چھپاتے ہیں۔ اس کی کوتاہیوں سے درگزر کرتے ہیں اور اس کے عیبوں پر سب کے سب پردہ ڈالتے ہیں۔ اب جب گھر میں ایک جیتا جاگتا انسان اور آ جاتا ہے تو نندیں یہ محسوس کرتی ہیں کہ ہماری ہر بات کو نوٹ کیا جا رہا ہے، ہم کس سے فون پر بات کر رہی ہیں؟ کس کا فون ہمیں آ رہا ہے؟ ہم کس وقت کیسے کپڑے پہن رہی ہیں؟ کہاں جا رہی ہیں؟ انہیں یو

ں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر ایک نگران آنکھ آ گئی ہے۔ایک ویڈیو کیمرہ ہمارے اوپر فکس ہو چکا ہے لہٰذا وہ اپنی آزادی کے اندر اس کو ایک پابندی سمجھتی ہیں۔ چنانچہ وہ کوشش کرتی ہیں کہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اپنی بھابھی کو اپنے دباؤ میں رکھیں، تاکہ یہ بھابھی ہماری کوئی بات دیکھے بھی سہی تو اپنی زبان کو بند رکھے۔ یہ باہر ہماری کوتاہیوں کو کہیں بتا نہ دے۔لہٰذا نند، تین کام کرتی ہے۔

......ساس کو بھڑکاتی ہے،

...... بھائی کو بیوی کے خلاف اکساتی ہے،

......اور اپنی بھابی کو دباتی ہے۔

لہٰذا وہ ایک وقت میں تین کام کر رہی ہوتی ہے۔اور میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لئے Catalyst (عمل انگیز) کا کام کرتی ہے۔ایسی بات کر دیتی ہے کہ خاوند خواہ مخواہ بیوی سے ناراض ہوتا ہے۔ایسی بات کر دیتی ہے کہ اس آنے والی لڑکی کو بھری محفل کے اندر شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔اس کی چھوٹی باتوں کو بڑا بنا کر پیش کر دیتی ہے، تو گویا ماں بیٹی کا یہ تعاون اس بہو کے خلاف ایک محاذ بن جاتا ہے۔اور بہو کو یوں نظر آتا ہے کہ اب میری نجات اس گھر سے باہر جانے میں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند سے کہنا شروع کر دیتی ہے کہ یا تو مجھے الگ گھر لے کر دو یا پھر مجھے میکے چھوڑ کر آؤ! اب خاوند درمیان میں سینڈوچ بن جاتا ہے۔ایک طرف ماں اور بہن اور دوسری طرف بیوی۔ جب بیوی کی طرف دیکھتا ہے کہ یہ محبت کرنے والی ہے، نیک نمازی ہے، خوبصورت بھی ہے، گھر بسانا بھی چاہتی ہے، میں اس کے پاس آتا ہوں تو مجھے محبتیں بھی دیتی ہے، تو خاوند کا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو جتنا خوش رکھ سکتا ہوں اسے خوش رکھوں، مگر دوسری طرف اس کی ماں اور بہن مل کر اس کی بیوی کی طرف سے عجیب وغریب رپورٹیں دیتی ہیں۔نہ اس کو پکانا آتا ہے، نہ گھر کی

صفائی کرنی آتی ہے، پتہ نہیں ماں باپ نے کیسے اس کو پال کر بڑا کیا، کہاں سے یہ گنوار اٹھ کر آ گئی؟ نہ اسے اِس بات کا پتہ نہ اُس بات کا پتہ۔ تو یہ ایک عجیب سی Situation (صورتحال) گھر کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔

بہو کی طرف سے جھگڑے کے اسباب:

اب بہو کی طرف سے جھگڑے کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ عام طور پر جس نوجوان لڑکی کی شادی ہوتی ہے، دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ ناتجربہ کار اور بھولی بھالی سی لڑکی ہوتی ہے، اس کو ازدواجی زندگی کے لڑائی جھگڑوں کا ذرا پتہ نہیں ہوتا۔ وہ ماں کی محبتوں میں پلی، باپ کی شفقتیں سمیٹیں، بھائی کی محبتیں پائیں، ان محبتوں کے ماحول سے نکل کر ایک نئے گھر کے اندر آتی ہے تو توقعات یہی رکھتی ہے کہ جو ماں محبتیں دیتی تھی وہی ساس دے گی، جو ابو محبت دیتے تھے وہ مجھے سسر دیں گے۔ اور خاوند کے بارے میں تصور رکھتی ہے کہ یہ تو ہے ہی میری زندگی کا ساتھی۔ تو اس کی توقعات زیادہ ہوتی ہیں۔ مگر اس کو وہاں آ کر جو صورتحال نظر آتی ہے وہ کئی مرتبہ توقعات کے مطابق ہوتی ہے اور کئی مرتبہ توقعات کے خلاف ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ناتجربہ کار اور بھولی بھالی لڑکی نئے گھر میں آ کر بہت ساری غلطیاں کرتی ہے۔ کھانے پکانے میں اتنی مہارت نہیں ہوتی، مہمان نوازیوں کا اتنا پتہ نہیں ہوتا۔ ماں باپ کے گھر میں پڑھنے لگی رہتی ہے، اپنے کاموں میں لگی رہتی ہے، گھر کے کاموں ٰمیں اتنا تعاون نہیں کیا ہوتا، چنانچہ یہاں آ کر اس کے لئے صورت حال سخت ہو جاتی ہے۔ اور پھر عمر بھی چھوٹی ہوتی ہے، اس کو اتنا پتہ نہیں ہوتا کہ میں نے یہاں آ کر کس طرح اپنے آپ کو بچ بچا کر رکھنا ہے؟ یہ بھی نہیں سمجھتی کہ خاموشی کے کتنے فائدے ہوتے ہیں؟ کوئی نہ کوئی بات کر دیتی ہے، پھر اس کے ایک ایک لفظ کو پکڑ لیا جاتا ہے اور ایک لفظ کو پکڑ کر اس کے اوپر پوری

داستان بنادی جاتی ہے۔ پھر اس بہو کے ذہن میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ میری شادی ہوئی، نکاح ہوا، میں بیٹی کی حیثیت سے اس گھر میں آئی ہوں، میں اس گھر میں لونڈی بن کر تو نہیں آئی، میں کہیں بھاگ کر تو نہیں آئی، تو وہ توقع کرتی ہے کہ اس گھر میں مجھے ایک Respect (عزت) ملنی چاہیئے۔ اور خاوند کے بارے میں اس کے ذہن میں بھی ہوتا ہے کہ خاوند تو بس ایسا ہو کہ میری ہر بات پر آمین کہنے والا ہو۔ اس کے دل کے اندر یہ خواہش ہوتی ہے کہ ادھر میری زبان سے بات نکلے اور خاوند اس پر Yes (ہاں) کر دے۔ اور بعض اوقات اس بہو کے ذہن میں یہ بھی خطرہ ہوتا ہے یا سہیلیوں نے اس کو غلط گائیڈ کیا ہوتا ہے کہ اگر تم سسرال جا کر ایک دفعہ دب گئی، تو ساری عمر تمہیں دبا کر ہی رکھیں گے۔ لہٰذا وہ بھی اپنے حقوق کی جنگ لڑنا شروع کر دیتی ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا اپنے میکے میں آ کر تذکرہ کرتی ہے۔ کبھی بہن کے ساتھ، کبھی ماں کے ساتھ۔ اب ادھر بہن اور ماں اس کو مشورے دیتی ہیں اور وہ پھر سسرال میں ریموٹ کنٹرول کھلونے کی طرح کھیل کھیل رہی ہوتی ہے۔ یہ سب ناپسندیدہ Situation (صورتحال) ہے۔

اسباب کا نچوڑ......خود غرضی کی جنگ:

یوں لگتا ہے کہ ان تمام وجوہات کو سامنے رکھیں تو لبِ لباب یہی نظر آتا ہے کہ ہر انسان، گھر کا ہر فرد، اپنی خود غرضی کی جنگ لڑ رہا ہے۔ ساس کو اپنے مفادات چاہئیں، نند کو اپنے چاہئیں، بہو کو اپنے چاہئیں اور اس وجہ سے اب گھر کے اندر لڑائی کی ایک فضا بن جاتی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ اخلاق سے رہنے کی تعلیم دینے میں کمی رہ جاتی ہے۔ اب یہ ذمہ داری تو سسر کی بھی ہوتی ہے کہ وہ گھر کا بڑا ہوتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو بھی سمجھتا ہے، بیٹی کو بھی سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس آنے والی لڑکی کو وہاں ایڈجسٹ

ہونے میں اس کو مورل سپورٹ دے۔اس کو back up (سہارا) دے، تاکہ وہ بچی محسوس کرے کہ میرے سر کے اوپر کوئی سایہ ہے، وہ اپنے آپ کو ہوا میں لٹکتا محسوس نہ کرے کہ معلوم نہیں کس وقت ساس مجھے اپنے گھر واپس ہی بھیج دے، اب کئی مرتبہ سسر صاحب اپنی بیوی کے سامنے بات نہیں کر سکتے اور کئی مرتبہ اپنے بزنس میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ وقت ہی نہیں ہوتا۔ جب مرد کے پاس وقت نہ ہو اور عورتیں گھر میں ایک دوسرے کے ساتھ کوآپریٹ نہ کریں تو گھر کے اندر لڑائیاں نہیں ہوں گی تو اور کیا ہوگا؟ ہمیں چاہئے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہنے کی تعلیم کو عام کریں۔

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ نماز اور روزے کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ ایک دوسرے پر رحم کرنے کی وجہ سے جنت میں زیادہ جائیں گے۔تو ایک دوسرے کے ساتھ ایثار، رحم، محبت ان اقدار کو گھر کے اندر بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسباب کا سدباب

تو آیئے! ان تمام اسباب کے علاج کیا ہیں؟ ان تمام اسباب کے حل کیا ہیں؟ اس پر تھوڑی سی بات کرتے ہیں۔جھگڑے تبھی ختم ہو سکتے ہیں جب ہر بندہ اپنی کچھ مخصوص ذمہ داریوں کو ذمہ داری سے ادا کرنے کی کوشش کرے۔

ساس کی ذمہ داریاں

ساس اپنے بڑے پن کا ثبوت دے:

سب سے پہلے ساس گھر کی ماں ہے، بڑی ہے، اس کی عزت اور احترام

ہے، بڑوں کو بڑا ہی بن کر رہنا چاہئے، اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہئے۔تو ساس کو سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ آنے والی لڑکی پلاسٹک کا کھلونا نہیں، جیتا جاگتا انسان ہے۔میں نے خود اسے پسند کیا، اپنے بیٹے کے لئے لے کر آئی، خود چل کر گئی تھی۔اب اگر یہ آگئی ہے تو یہ بھی انسان ہے، اس میں یقیناً خوبیاں بھی ہوں گی اور خامیاں بھی ہوں گی۔تو مجھے جیسے اس کی خوبیوں کو قبول کرنا ہے اس کی خامیوں کو بھی قبول کرنا ہے اور پیار محبت سے اس کی اصلاح کرنی ہے۔

بہو اور بیٹی کو برابر سمجھے:

جیسے اپنی بیٹی کے اندر خامیاں ہوتی ہیں تو ماں صبر کے ساتھ ان خامیوں کی اصلاح میں لگی رہتی ہے تو پھر بہو کے لئے کیوں یہ سمجھتی ہے کہ ایک دن میں یہ ٹھیک ہو جائے؟ بہو بھی اس کی بیٹی ہی کی ہم عمر ہے، اس کی بیٹی ہی کی طرح ہے۔جو رویہ ساس اپنی بیٹی کے ساتھ رکھتی ہے وہی رویہ اگر اپنی بہو کے ساتھ رکھے تو گھر کے جھگڑے بالکل ہی ختم ہو جائیں۔مصیبت یہاں یہ ہوتی ہے کہ بیٹی وہی غلطی کرتی ہے تو ماں اس غلطی کو چھپاتی پھرتی ہے اور اگر وہی غلطی بہو کر لیتی ہے تو ساس اس غلطی کو بتاتی پھرتی ہے۔تو ابتدائی دنوں میں اس آنے والی بچی کی غلطیوں سے کچھ درگزر کرنا چاہئے۔

ساس کی بنیادی غلطی:

اور اس میں ایک غلطی ساس کی یہ بھی ہوتی ہے کہ عام طور پر اس نے بہو کا جو انتخاب کیا ہوتا ہے تو فقط اس کی شکل کی خوبصورتی کو دیکھ کر کیا ہوتا ہے۔یہ ذہن میں رکھیں کہ صرف ولیمہ کے دن لڑکی کی شکل کو دیکھا جاتا ہے باقی پوری زندگی اس کی عقل کو دیکھا جاتا ہے۔تو جو چیز پوری زندگی دیکھی جانی تھی اس پر توجہ نہیں دیتی اور

شکل کی حور پری ڈھونڈ کر اپنے گھر لے آتی ہے۔نہ تعلیم دیکھی نہ اس کے اخلاق دیکھے،تو اس وجہ سے پھر مصیبت پڑ جاتی ہے۔

بہو کی غلطیوں پر درگزر کرے:

تو ساس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ابتدائی چند دنوں میں بہو کو گھر کے اندر، اپنے آپ کو ایڈجسٹ ہونے کا موقع دے۔اس کی غلطیوں سے درگزر کرے، نئی جگہ پر انسان بعض چیزوں کو نظر انداز کر جاتا ہے، بعض کاموں کو بھول جاتا ہے تو بہو سے اس قسم کی غلطیاں ہونا، کوئی انوکھی بات نہیں۔لہٰذا اسے چاہیے کہ ابتدا میں اگر لڑکی غلطیاں بھی کرے تو اس سے درگزر سے کام لے۔اور یہی سمجھے کہ ہاں چند دنوں کے بعد جب یہ گھر میں سیٹ ہو جائے گی تو میں اس لڑکی کو سمجھالوں گی۔

بہو کو خوشی سے گھر کی ذمہ داری دے:

گھر کے کام کاج میں بہو کو ہنسی خوشی ذمہ داری دے۔مثال کے طور پر: کھانا پکانا ہے تو یہ ضروری تو نہیں کہ ہر روز ساس سے ہی سارا کچھ پوچھ کے پکایا جائے گا۔کبھی ساس یوں بھی کہہ دے کہ بیٹا اپنی مرضی کا کھانا پکالو! تو لڑکی کو تھوڑا سا اختیار ملے گا تو اس کا دل خوش ہوگا۔تو یہ ذمہ داری ساس کی بنتی ہے کہ وہ آنے والی لڑکی کو ہنسی خوشی ذمہ داری سونپے۔اور ساتھ یہ بھی سوچے کہ جب میں بہو بن کر آئی تھی تو اس وقت میرے جذبات کیا تھے؟ اور میں بھی تو اپنی ساس کے بارے میں یہ سوچا کرتی تھی کہ ذرا ذمہ داری میرے اوپر ڈال کر تو دیکھے، مجھے کام دے کر دیکھے، میں کیسے نہیں کام کرتی؟ میں بھی ہر بات پر تنقید کو ناپسند کرتی تھی، ذرا ذرا سی بات پر نکتہ چینی سے میرا دم گھٹتا تھا۔آج جب میں اپنی بہو کی ساس بن گئی ہوں تو میں اپنی بہو کے ساتھ وہی سلوک کیوں رکھوں؟

ہر وقت کی تنقید سے گریز کرے:

نیت ہمیشہ اچھی رکھے، اللہ رب العزت نیت کی وجہ سے گھر کا ماحول اچھا کر دیتے ہیں۔ ہر بات پر بہو کو کاٹنے نہ دوڑے۔ اگر اس کے برے کام پر تنقید کرتی ہے تو اس کے اچھے کام پر تعریف بھی کیا کرے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ غلطی پر اس کی مٹی پلید کر دی اور اچھے کام کو ایسے نظر انداز کیا جیسے اس نے کیا ہی نہیں۔ یہی وجہ کہ کبھی بہن کی بیٹی کو بہو بنا کر لائی، کبھی بھائی کی بیٹی کو بہو بنا کر لائی، اتنی قریبی رشتہ داریاں ہوتی ہیں لیکن جیسے ہی وہ لڑکی گھر آتی ہے، اس کے ساتھ جھگڑے والا مسئلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تو کسی دل جلے شاعر نے اس پر ایک شعر بنایا۔

جب تک بہو کنواری ساس گئی واری
بہو کا آیا ڈولا ساس کو لگا گولہ

اپنی بھتیجی کو، اپنی بھانجی کو، اپنی قریبی سہیلی کی بیٹی کو لے کر آتی ہے اور جیسے ہی وہ بچی گھر میں قدم رکھتی ہے بس اس کی غلطیاں دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔ تو ساس کو چاہیے کہ وہ اس موقع پر اپنے بڑے پن کا ثبوت دے اور اس بچی کا ایڈجسٹ ہونے کے لئے ہر ممکن کا تعاون کرے۔ اگر اپنی بیٹی بھی اس کی شکایت کرے تو بیٹی کو سمجھا بجھا لے، ڈانٹ ڈپٹ کر لے، مگر گھر کے اندر خواہ مخواہ ماحول کو Pollute (آلودہ) نہ ہونے دے۔

بہو کی ذمہ داریاں

یہ تو ذمہ داری تھی ساس کی۔ بہو کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس آنے والی لڑکی نے بھی بہت ساری باتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ وہ ایک نئے گھر میں آئی ہے اور اس نئے گھر میں اسے اپنی حیثیت منوانے کے لئے یقیناً بہت زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔

ساس کو اپنی دشمن نہ سمجھے!

بہو ہمیشہ ایک موٹی سی بات یہ سوچے کہ ساس اگر میری دشمن ہوتی، تو مجھے اپنے گھر میں لاتی ہی کیوں؟ جب اس نے مجھے اپنے بیٹے کے لئے پسند کیا اور بہو بنا کر لائی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ میری دشمن نہیں بلکہ میری محسنہ ہے۔ اس کا میرے اوپر احسان ہے کہ اتنا اچھا بیٹا، ذمہ دار اور سمجھدار، اس کے لئے اس نے مجھے بیوی کے طور پر منتخب کیا۔ اگر وہ نہ کر دیتی تو یہ رشتہ نہ ہو سکتا، اگر یہ رشتہ ہوا ہے تو اس میں ساس کا میرے اوپر احسان ہے۔ جب بہو یہ ذہن لے کر آئے گی کہ ساس میری محسنہ ہے تو یقیناً وہ گھر میں آ کر اس ساس کو ساس نہیں سمجھے گی بلکہ اپنی ماں سمجھے گی۔ اور ماں کے سمجھنے سے ہی سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

ماں بیٹے کی محبت میں کمی نہ آنے دے:

پھر بہو کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ میرے آنے سے پہلے یہ ہنستا بستا گھر تھا، ماں تھی، بیٹی تھی، بیٹا تھا، خاوند تھا، آپس میں محبت پیار سے رہ رہے تھے اس بیٹے کو ماں نے محبتوں سے پالا، یہ ماں کے ساتھ اتنا زیادہ Attach (مانوس) تھا، اب میں اس گھر میں نئی آئی ہوں تو اس بیٹے کو اپنی ماں سے الگ نہیں کرنا، مجھے اس بیٹے کو اپنی ماں سے دور نہیں کرنا، میرے خاوند کے لئے یہ جنت ہے۔ اس کے قدموں میں اللہ رب العزت نے میرے خاوند کے لئے جنت بنائی ہے۔ لہٰذا میں نے ہمیشہ ان کو Respect (عزت) دینی ہے اور ان کی خدمت کو مجھے اپنے لئے سعادت سمجھنی ہے۔ جب بہو یہ سمجھے گی تو یقیناً وہ ماں بیٹے کی محبت میں کیل نہیں ٹھونکے گی۔ وہ بوڑھی ساس کو ستائے گی نہیں۔

بلکہ اگر خاوند اس کے ساتھ بہت زیادہ وقت گزارے اور اپنی ماں اور بہن کو

بہت ہی چھوڑے رہے تو بہو کو یہ چاہئے کہ اپنے خاوند کو سمجھائے کہ اپنے ماں باپ کو Ignore (نظر انداز) کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ اگر اس کا سگا بھائی اپنے ماں باپ سے لاپرواہی برتتا تو اس کو کتنا برا لگتا، اب اس کا خاوند اگر ماں باپ کو Ignore (نظر انداز) کر رہا ہے تو پھر اس کو کیوں اچھا لگتا ہے؟ تو بیوی کو چاہئے کہ وہ بھی یہ بات سمجھائے، تاکہ اس کا خاوند اپنے ماں باپ کے ساتھ وہی محبتیں رکھے جو شادی سے پہلے تھیں۔

ساس سے لاپرواہی نہ برتے:

کئی جگہوں پر دیکھا، ساس بوڑھی ہے، نند گھر میں نہیں، تو پھر بہو گھر میں آتے ہی شیرنی بن جاتی ہے اور ساس کو Ignore کرنا شروع کر دیتی ہے۔

کئی جگہوں پر ہمیں یہ خبر ملی کہ ساس کو اپنے وقت پر کھانا بھی نہیں دیا جاتا۔ بس خاوند کو قابو کر لیتی ہیں اور اس کے بعد ساس کو ایک بڑھیا سمجھ کر کمرے کے ایک کونے میں پڑی رہنے دیتی ہیں۔ یہ چیز انتہائی بری ہے، شریعت نے ساس اور سسر کو ماں اور باپ کا درجہ دیا ہے۔ آنے والی بہو یہ سوچے کہ اگر اس بوڑھی عورت کی میں خدمت کروں گی تو میں اپنے خاوند کو بھی راضی کروں گی اپنے خدا کو بھی راضی کروں گی۔ اب اس کے لئے اپنی ساس کی خدمت کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔

ساس کا دل خوش کرنے کی کوشش کرے:

بہو کو چاہئے کہ ایسے مواقع تلاش کرے کہ وہ اپنی ساس کا دل خوش کر سکے۔ بعض کام بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں لیکن اگر کسی کو Personal attention (ذاتی توجہ) دی جائے تو دوسرے بندے کے دل میں جگہ بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر: اگر ساس کوئی میڈیسن استعمال کرتی ہے تو وقت کے اوپر اس کو میڈیسن دے

دینا، احتیاطی کھانا کھاتی ہے تو وہ بنا کر دے دینا، وضو کا پانی گرم کر کے دے دینا، مصلی بچھا کر دے دینا، یہ ان کے چھوٹے چھوٹے کام ہوں گے لیکن جب بہوان کاموں کو کرے گی تو وہ سمجھے گی کہ یہ بہو نہیں، میرے گھر کی بیٹی ہے تو یقیناً ساس کا رویہ بہو کے ساتھ ماں جیسا ہو جائے گا۔ یہ بہو کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ نئے گھر میں جا کر ساس کے دل میں اپنی جگہ بنائے۔ بعض اوقات چھوٹے چھوٹے کاموں سے انسان دوسرے کا دل موہ لیتا ہے۔ چنانچہ ایسے مواقع کو تلاش کرنا چاہئے کہ جس سے انہیں یہ محسوس ہو کہ یہ بیٹی بن کر ان کی ذاتی خدمت کو بھی اپنی سعادت سمجھتی ہے۔

ساس کے تجربات سے فائدہ اٹھائے:

بلکہ بہو کو چاہئے کہ کوئی بھی کام کرنا ہو تو ساس کے تجربہ سے فائدہ اٹھائے بلکہ اس سے مشورہ کر لیا کرے۔ یہ سوچے کہ اگر میں اپنی اس امی سے پوچھ کر، مشورہ کر کے کام کروں گی تو یقیناً میں غلطیاں کم کروں گی۔ جب بغیر مشورہ کے کام کروں گی تو کوتاہیاں زیادہ کروں گی۔ لہٰذا ساس کے مشورہ سے کام کرنا چاہئے، اس کے تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے بلکہ اس کے تبصرہ سے سبق سیکھنا چاہئے کہ میں نے ایسے پکایا اور دستر خوان لگایا، اور میری ساس نے ایسے کہا تو اچھا! میں نے آج کے بعد ایسے نہیں کرنا۔

ساس کو ہرانا ماں کو ہرانے کے برابر سمجھے:

اور ایک بڑی اہم بات یہ کہ اگر کھینچا تانی کا ماحول بن گیا اور یہ بہو جیت بھی گئی تو یہ یہی سمجھے کہ میں اپنی ماں کو ہرا چکی ہوں۔ جب بہو نے یہ ذہن میں رکھا کہ اس کھینچا تانی میں ساس کو ہرانے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی ماں کو ہرا دیا تو پھر اس

کی عقل ٹھکانے رہے گی اور اس کھینچا تانی کے ماحول کو نہیں بننے دے گی۔

خاوند سے ساس نند کی برائیاں ہرگز نہ کرے:

چغل خوری سے بچے۔ خاوند کے سامنے اس کی ماں اور بہن کی چغلیاں کرنا، اللہ رب العزت کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ کام ہے۔ اگر وہ گھر کے اندر کوئی کمی، کوتاہی دیکھے بھی سہی تو خاوند کے سامنے ساس اور نند کی برائیاں نہ کرے۔ اس کو یہ نہ بتائے کہ آپ کو کیا پتہ کہ آپ کی بہن کیا ہے؟ کیا کرتی ہے؟ بھائی کے ذہن میں بہن کے بارے میں کوئی اس قسم کی بات بٹھانا اور اس کا تاثر خراب کرنا، اس کے کسی صریح گناہ کو اس طرح پیش کر دینا کہ بھائی کے دل سے بہن کی محبت ہی نکل جائے، شرعاً یہ بھی جائز نہیں ہے۔ اگر یہ اس گھر میں کوئی کوتاہیاں دیکھتی ہے تو بہو کو چاہئے کہ یہ بھی دل بڑا کرے، نہ میکے میں بتائے نہ اپنے خاوند کو بتائے۔ تھوڑے ہی دنوں میں جب یہ اپنے گھر میں Adjust (سیٹ) ہو جائے گی تو پھر اللہ رب العزت اسے موقع دیں گے، یہ ماحول کو بھی اچھا بنا لے گی اور یہ گھر کے لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بھی پیدا کر لے گی۔ چنانچہ اس کو چاہئے کہ یہ ابتدائی دنوں میں خاموش رہے، بس جو دیکھے اپنی زبان کو بند رکھے۔ یہ بات سو فیصد سچی ہے کہ گونگی اور بہری بہو سے کوئی بھی لڑائی نہیں کرتا، ہر کوئی اپنے آپ کو امن میں سمجھتا ہے۔ تو اس بچی کو بھی چاہئے کہ ابتدائی چند دنوں میں گونگا اور بہرا بن کر گزارے تاکہ دوسرے بندے اس کے قریب ہو سکیں۔

خاوند سے الگ مکان کا مطالبہ نہ کرے:

خاوند کو ہرگز یہ نہ کہے کہ مجھے الگ مکان چاہئے یا یہ کہ مجھے میکے چھوڑ کر آؤ! اپنی طرف سے کوشش یہی کرے کہ میں نے اس آباد گھر کو آباد رکھنا ہے...... ہاں وقت سے

ساتھ ساتھ اللہ کا بنایا ہوا ایک نظام ہے، ایک بچے کی شادی ہوتی ہے، پھر دوسرے بچے کی ہوتی ہے...... ایک بچے کا الگ گھر بنتا ہے، پھر دوسرے کا الگ گھر بنتا ہے۔تو آنے والے وقت میں الگ گھر تو ہر ایک کا بننا ہی ہوتا ہے۔ اور نہیں تو ساس بوڑھی ہوتی ہے جب وہ قبر کا کونہ جا کر آباد کرتی ہے تو بہو کا ویسے ہی الگ گھر بن جاتا ہے۔تو اس بارے میں بہو کو اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔یہی سمجھے کہ جتنا خدمت کا موقع اللہ نے مجھے دیا میں اس سعادت سے اپنے آپ کو کیوں محروم ہونے دوں؟ تو اس طرح گھر کے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

خاوند سے جھگڑا نہ کرے:

کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ساس کی وجہ سے یا نند کی وجہ سے بہو تنگ ہوتی ہے تو وہ اپنے خاوند کو شکایت لگاتی ہے اور خاوند کہتا ہے، کہ اچھا ٹھیک ہے کوئی نہ کوئی بندوبست کریں گے۔مگر یہ اپنے خاوند کے ساتھ بھی الجھنا شروع ہو جاتی ہے۔خاوند کے ساتھ جھگڑا کرنا، بیوی کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے۔اس سے بڑی غلطی بیوی اپنی زندگی میں نہیں کر سکتی کہ جو اس کے سر کا سایہ ہے، سپورٹ ہے، اس کی تقویت کا سبب ہے، اس کی عزت کا نگران ہے، اسی بندے کے ساتھ جھگڑا شروع کر دے۔

تو بہو کی کوتاہیوں میں سے یہ ایک بڑی کوتاہی ہوتی ہے کہ معاملات تو ساس اور نند خراب کر رہے ہیں اور یہ اپنے خاوند کے ساتھ منہ بسور کے اور روٹھ کے بیٹھ جاتی ہے۔اب خاوند ابتدائی شادی کے دنوں میں محبت پیار کے موڈ میں ہوتا ہے اور بیوی صاحبہ نے شکل بنائی ہوتی ہے۔تو الٹا خاوند کے دل میں بھی یہ اپنے لئے جگہ کم کر بیٹھتی ہے۔یہ غلطی بھی ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔

تنقید کو صبر سے برداشت کرے:

بہو کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ میں اس گھر میں نئی آئی ہوں اور ہر نئی چیز کو آزمایا اور پرکھا جاتا ہے۔ یہی بہو اپنے لئے سونے کا زیور خریدتی ہے تو کتنا پرکھتی ہے۔ تو گھر میں ایک نیا انسان آیا ہے تو ہر بندہ اس کو دیکھے گا، جانچے گا کہ یہ کیسے بیٹھتا اٹھتا ہے؟ کیسے بولتا ہے؟ کیسے اس کی زندگی کے شب و روز ہیں۔ تو وہ اس بات کو سمجھے کہ شادی کے ابتدائی دنوں میں مجھے کس نظر سے دیکھا جائے گا؟ اور اگر کوئی بات گھر کے لوگ میرے بارے میں کر دیتے ہیں تو یہ غلط فہمی ہوتی ہے۔

پھر یہ بھی سمجھے کہ ساس عمر میں زیادہ ہے اور جتنی عمر زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی بندے کے اندر تنقید کا مادہ بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور چڑچڑاپن بھی زیادہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس چڑچڑے پن کو عمر کا تقاضا سمجھے۔ یہ بھی سوچے کہ گھر میں جب میں غلطی کرتی تھی تو کئی مرتبہ میری امی مجھے تھپڑ بھی لگا دیتی تھی تو میں برداشت کرتی تھی؟ تو اگر سگی ماں کا تھپڑ بھی برداشت کر لیتی تھی تو کیا ساس کا سمجھانا برداشت نہیں کر سکتی۔ ساس کے سمجھانے پر بھی اس کو غصہ آجاتا ہے تو یہ بھی ایک کوتاہی ہوتی ہے۔

شوہر کے مال پر فقط اپنا حق نہ جتائے:

کئی مرتبہ بہو یہ سمجھتی ہے کہ خاوند جو کما رہا ہے وہ تو بحیثیت بیوی میرا حق ہے۔ اب یہ ماں، باپ اور بہنیں سب کا اس کے کندھوں پر کیوں بوجھ پڑ گیا؟ تو اس میاں کے کندھوں پہ یہ بوجھ پہلے سے تھا، اب تو نہیں پڑا۔ یہ آنے والی لڑکی کی غلط بات ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ماں باپ کو اس کے سر کا بوجھ سمجھے۔ یہ وہ رشتے ناطے ہیں جن کو نبھانا ہوتا ہے۔ شادی کے بعد یہ تو نہیں ہو جاتا کہ بندہ ماں کو بھول جائے، بہن کو بھول جائے، باپ کو بھول جائے، تو لڑکی یہ غلطی کبھی بھی نہ کرے کہ اپنے گھر

کے ان افراد کو اپنے خاوند کے سر کا بوجھ سمجھے۔

سسرال میں میکے کے فضائل نہ بیان کرتی رہے:

یہ بھی جھگڑے کی بنیاد ہوتی ہے کہ سسرال کے گھر میں کوئی بات دیکھی، فوراً کہہ اٹھے گی میرے امی ابو کے گھر میں تو ایسے نہیں ہوتا تھا، ہمارے گھر میں تو ایسا ہوتا تھا۔ وہ تو ہوتا تھا، اب آپ سسرال میں آچکی ہیں۔ سسرال میں آکر بہو یہ سوچے کہ یہاں کی محفلوں میں میکے کے فضائل بیان کرنا شریعت نے فرض قرار نہیں دیا۔ اب تو آپ کا گھر یہ ہے۔ تو بہو کی غلطیوں میں سے ایک بڑی غلطی یہ بھی ہے کہ وہ سسرال میں بیٹھ کر دن رات اپنے میکے کے فضائل بیان کرتی ہے۔ جو پھر جھگڑے کا سبب بن جاتے ہیں۔ جو اس کا نصیب تھا وہ اسے مل گیا۔ امیر گھر کی بیٹی تھی، اب جہاں آگئی ہے وہاں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرے۔

سسرال کی خوشی غمی میں برابر کی شریک ہو:

پھر ایک غلطی یہ بھی کرتی ہے کہ سسرال کے گھر میں جو خوشی اور غمی ہوتی ہے اس میں برابر کی شریک نہیں ہوتی، پیچھے پیچھے رہتی ہے۔ تو جب ان کی خوشی اور غمی میں برابر کی شریک نہیں ہوگی تو صاف ظاہر ہے کہ پھر ان کو آپ پر اعتراض کا موقع ملے گا۔

دوسروں کی ٹوہ میں نہ رہے:

نئے گھر میں آکر لوگوں کے حالات کی ٹوہ میں لگے رہنا، تجسس میں رہنا کہ میری نند کہاں سے آتی ہے؟ کہاں جاتی ہے؟ کس کے فون آتے ہیں؟ کسی سے اس کا تعلق تو نہیں؟ نندیں کیسے کیسے کپڑے پہنتی ہیں؟ میری ساس کیا کرتی ہے؟ میرا سسر کیا کرتا ہے؟ ساس اور سسر کے درمیان جھگڑے تو نہیں؟ اس قسم کی ٹوہ میں آتے ہی لگ جانا، انتہائی برا کام ہوتا ہے۔ یہ شرعاً بھی حرام ہے۔ شریعت نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾ [تجسس میں نہ پڑو]

دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا یہ عقل مندی نہیں ہوتی اپنے کام سے کام رکھے۔ ''تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو''

اور کئی دفعہ یہ غلطی بھی دیکھی کہ اگر ان کو نند وغیرہ کی کچھ اونچ نیچ معلوم ہو جاتی ہے تو پھر اپنے میکے فون کر کے فوراً پیغام پہنچاتی ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ اپنی ناراضگی کا بدلہ اسی طرح لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر نند سے رنجش تھی، اب اس کے رشتہ کی بات جو چلی، تو جو رشتہ والے آتے ہیں ان کی عورتوں کو فون کر کے اس کے بارے میں بتا دیتی ہے کہ وہ تو بہت ہی نکھٹو ہے، بہت ہی کام چور ہے، بہت ہی ضدی ہے، اس کو تو کام ہی کرنا نہیں آتا۔ یا اس سے بھی بڑی بات کر دی کہ مجھے تو لگتا ہے کہ اس کے کسی نہ کسی کے ساتھ افیئر ز ہیں۔ اب اس طرح کی باتیں کر کے نند کے مستقبل کو خراب کرنا اور اس سے بدلہ لینا، اس سے بڑی نالائقی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اگر بہو گھر میں رہ کر ایسا کام کرے گی تو یقیناً اپنا گھر برباد کرنے والی بات کرے گی۔ دوسروں کے حالات کی ٹوہ میں رہنا اور دوسروں کے سامنے ان کے عیبوں کو کھولنا، شریعت نے اس چیز سے منع کر دیا ہے۔

دوسروں پر رعب چلانے کی بجائے دل جیتنے کی کوشش کرے:

کئی دفعہ یہ بھی دیکھا کہ بہو جب گھر میں آتی ہے تو یہ سمجھتی ہے کہ میں تو بڑے بھائی کی بیوی ہوں لہٰذا اب یہ میری نند جو ہے یہ تو میری خادمہ ہے، اس پر رعب چلاتی ہے۔ نند پر رعب چلانے سے پہلے اسکے دل کو جیتنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔

بس یہ ہر ایک کے ساتھ محبت پیار کا تعلق رکھے اور اپنے خاوند کو پر سکون زندگی دے۔ بہو کو یہ بات سوچنی چاہیے کہ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں شادی کرنے کا بنیادی مقصد فرمایا ﴿لتسکنوا الیھا﴾ '' تا کہ تمہیں اپنی بیویوں سے

سکون ملے''۔ تو جو بیوی اپنے خاوند کو سکون دے ہی نہیں سکتی وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہی۔ تو اپنے میاں کو جھگڑوں میں الجھا لینا، ہر وقت اس کے سامنے یہی باتیں چھیڑ کر بیٹھ جانا، انتہائی نالائقی ہوتی ہے۔

بیوی کو چاہیے کہ اپنے خاوند کو ایسا پر سکون ماحول دے کہ دفتر اور دکان پر بیٹھے ہوئے بھی اس کا جی چاہے کہ میں ابھی اپنے گھر چلا جاؤں۔ یہ نہ ہو کہ دفتر میں بیٹھا ہوا ایک کے بعد دوسری فائل کھول رہا ہو اور کام کرنے والے لوگ بھی پریشان کہ آج صاحب گھر ہی نہیں جا رہے۔ اور کوئی پوچھے کہ جی گھر کیوں نہیں جاتے؟ تو میاں بتائے: کہ وہاں جا کر جو ہونا ہے اس کا مجھے پتہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ کچھ وقت اور یہاں گزر جائے تو اچھا ہے۔ تو گھر کے ماحول کو ایسا بھی نہیں بنانا چاہئے کہ خاوند گھر میں آ کر الٹا پریشان ہو جائے۔

روز محشر لوگ اپنے گناہوں کے مطابق اٹھیں گے:

قیامت کے دن لوگ اپنے اپنے گناہوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ ناانصافی کرنے والا ہو گا، اللہ تعالیٰ اس کو فالج زدہ شخص کی صورت میں قیامت کے دن کھڑا کریں گے۔ جو مخلوق سے سوال کرتا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسا بنائیں گے کہ اس کے چہرے کے اوپر ہڈیاں ہوں گی گوشت ہو گا ہی نہیں۔ دور سے پتہ چلے گا کہ یہ اللہ کے در کو چھوڑ کر مخلوق سے مانگنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرے کی اس رعنائی کو ختم کر دیا ہے۔

جو دنیا میں تکبر کے بول بولنے والا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن چیونٹی جیسا سر عطا کریں گے، دوسرے لوگ اس کے اوپر اپنے پاؤں رکھ کر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مخلوق کے پاؤں میں مسل کر ان کو بتائیں گے کہ تمہارے تکبر کا ہم نے تمہیں یہ بدلہ دیا۔ جو لوگ دنیا میں جھوٹ بولتے ہوں گے قیامت کے دن ان کی زبان

اونٹ کی طرح لمبی ہوگی اور لٹکی ہوئی ہوگی۔ جو گناہوں بھری زندگی گزاریں گے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ جو نیکوکار رہوں گے ان کے چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے۔ جو شخص دوسروں کی غیبت کرتا ہوگا، اس کے لمبے لمبے ناخن ہوں گے اور قیامت کے دن اپنے چہرے کی خارش کر رہا ہوگا، اتنا خارش کرے گا کہ اس کا گوشت کٹ جائے گا اور ہڈیاں نظر آنے لگیں گی۔ اور جو شخص دوسروں کے ساتھ چغلخوری کا معاملہ کرتا ہوگا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسا کھڑا کریں گے کہ اس کے ایک کی جگہ، دو چہرے ہوں گے۔ تو جیسا ہم دنیا میں کریں گے ویسا قیامت کے دن پائیں گے۔ تو اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم شریعت اور سنت کے احکام کو سامنے رکھیں اور گھر کے اندر محبت سکون کی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

لڑکی کی زندگی کی اسائنمنٹ:

اچھی بہو وہ ہوتی ہے کہ میکے والے بھی اس کی تعریف کریں، سسرال والے بھی اس کی تعریف کریں۔ بچی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ میرے لیے Assignment (مشق) ہے۔ میں میکے میں ایسی زندگی گزاروں کہ جب میری شادی ہو تو میکے والوں میں، میری ماں بہن کی زبان سے میری تعریفوں کے پل بندھ رہے ہوں اور جب میں سسرال میں جاؤں تو میں ایسے بن کر رہوں کہ میری ساس اور نند کی زبان سے میری تعریفیں ہو رہی ہوں۔ یہ بچی کی زندگی کی اسائنمنٹ ہوتی ہے۔ جب وہ یہ ذمہ داری لے کر جائے گی اور چاہے گی کہ میری تعریفیں ان کی زبان سے ہوں تو یقیناً وہ ان کے ساتھ محبت پیار سے رہے گی۔ جھگڑے اور فساد کی بجائے گھروں کے اندر محبتیں ہوں گی، الفتیں ہوں گی۔ دنیا کی زندگی بھی اچھی گزرے گی۔ یہ چھوٹا سا گھر انسان کی چھوٹی سی جنت بن جائے گا اور اللہ رب العزت بھی خوش ہوں گے۔ اس کو کہتے ہیں: ''ہم خرما و ہم ثواب'' کہ انسان نے دنیا میں بھی پرسکون زندگی

گزاری، محبتوں اور چاہتوں کی زندگی گزاری اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے
اس کی آخرت کو بھی بنا دیا۔ لہٰذا سسرال کے جھگڑوں میں ساس، ماں بن کر رہے
اور بہو یہ سوچے کہ اب جو محبت مجھے ساس سے مل سکتی ہے وہ محبت مجھے کسی اور سے نہیں
مل سکتی۔ جب اس طرح دونوں ایک دوسرے کے قریب آئیں گی تو گھر کے جھگڑے
بالکل ہی ختم ہو جائیں گے۔

سبق آموز واقعہ:

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ایک گلی
سے گزر رہا تھا۔ میں نے ایک گھر کا دروازہ کھلا دیکھا، ایک ماں اپنے بیٹے سے
ناراض ہو رہی تھی، اسے ڈانٹ رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ تو نکھٹو ہے، ضدی ہے، کوئی کام
نہیں کرتا، بالکل بات نہیں مانتا، کام چور بن گیا ہے، اگر تو نے میری بات نہیں مانی تو
اس گھر سے دفعہ ہو جا۔ یہ کہہ کر ماں نے جو اس کو دھکا دیا تو وہ بچہ دروازے سے باہر
گرا۔ ماں نے غصے سے اپنے دروازے کو بند کر لیا۔ فرماتے ہیں: میں بھی اس بچے کو
دیکھنے لگا! وہ رو رہا تھا، اسے مار پڑی تھی، جھڑکیاں پڑی تھیں، پھر تھوڑی دیر میں اس
نے گلی کے ایک طرف کو جانا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ قدموں سے چل رہا تھا، کچھ سوچ
بھی رہا تھا۔ جب وہ گلی کے موڑ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ کچھ سوچتا رہا اور پھر
اس نے واپس آنا شروع کیا۔ حتی کہ اپنے ہی گھر کے دروازے پر آ کر وہ بیٹھ گیا۔
تھوڑی دیر کے لئے اسے نیند آ گئی۔ کچھ دیر کے بعد والدہ نے کسی کام کے لئے دروازہ
کھولا تو دیکھا، ابھی دروازے ہی پر موجود تھا۔ ماں کا غصہ کم نہیں ہوا تھا، اس نے پھر
ڈانٹنا شروع کر دیا۔ جاتے کیوں نہیں؟ تم نے میرا دل جلایا ہے، کام بالکل نہیں
کرتے۔ جب ماں نے پھر ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی، بچے کی آنکھوں میں آنسو آ
گئے کہنے لگا: امی! جب آپ نے مجھے گھر سے دھکا دے دیا تھا، میں نے سوچا تھا کہ

میں یہاں سے چلا جاتا ہوں، میں کسی کا نوکر بن کر رہ جاؤں گا، کوئی مجھے کھانا دے دے گا، لحاف دے دے گا، رہنے کی جگہ دے دے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں بازار میں جا کر بھیک مانگ لیتا ہوں، مجھے یہ سب چیزیں مل جائیں گی اور میں گلی کے موڑ پر بھی چلا گیا تھا لیکن وہاں جا کر میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے کھانا بھی ملے گا، کپڑے بھی ملیں گے، رہنے کی جگہ بھی مل جائے گی لیکن امی جو پیار مجھے آپ دیتی ہیں میں نے سوچا یہ پیار مجھے دنیا میں کوئی نہیں دے گا۔ یہ سوچ کر میں واپس آ گیا ہوں۔ امی تو مجھے مارے بھی تو میں تیرا ہی بیٹا، گھر میں رکھے تو بھی تیرا ہی بیٹا۔ جب بچے نے یہ بات کی ماں کی ممتا جوش میں آ گئی، اس نے بچے کو اپنے سینے سے لگالیا، ماتھے کا بوسہ دیا کہ بیٹا تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ جو محبت تمہیں میں دے سکتی ہوں وہ تمہیں اور کوئی نہیں دے سکتا تو آؤ میرے گھر میں زندگی گزارو۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اسی طرح انسان یہ سوچے کہ مجھے دوسرے یہ محبتیں دیں گے تو پھر ان کے دل میں بھی انسان کی قدر ہوتی ہے۔ اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر بہو یہ سوچے کہ اس گھر کے اندر (جہاں میں اپنے خاوند کے گھر میں آئی ہوں) جو محبتیں مجھے ساس دے سکتی ہے وہ محبتیں مجھے کوئی نہیں دے سکتا۔ جب اس طرح وہ گھر میں آ کر رہے گی تو یقیناً اس کو ماں سمجھے گی، اس کی خدمت کرے گی اور پھر ساس بھی اس کو اپنی بیٹی سمجھے گی۔ اللہ رب العزت گھروں کے ان جھگڑوں سے ہمیں محفوظ فرمالے اور اس فساد کے عذاب سے اللہ ہمیں محفوظ فرما کر پرسکون زندگی نصیب فرمائے تاکہ دنیا میں بھی ہم اللہ کے نیک بندے بن کر زندگی گزار سکیں اور آخرت میں بھی اللہ کے پاس جا کر ہم سرخرو ہو سکیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس بیان کے اندر جو باتیں کہی گئیں اس کے مطابق ہمیں اپنی زندگیاں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ساس، بہو کی ذمہ داریاں یاد کرلے اور سوچے کہ اسے یوں کرنا چاہیے، یوں کرنا چاہئے تھا۔ اور بہو، ساس کی ذمہ داریاں یاد کرلے اور گھروں میں جا کر پھر جھگڑا شروع کردیں، آپ یہ نہیں کرتیں آپ یہ نہیں کرتیں۔ بلکہ حق یہ بنتا ہے کہ ساس اپنی ذمہ داریوں کو یاد کرلے کہ مجھے یہ کرنا ہے، نند اپنی ذمہ داریاں اور بہو اپنی ذمہ داریاں یاد کرے کہ مجھے یہ کرنا ہے۔ تمام خواتین اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ جب آپ وہ کریں گی جو آپ کرسکتی ہیں دیکھ لینا اللہ رب العزت پھر وہ کردیں گے جو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ دوسروں کے دلوں میں آپ کی محبتیں ڈال دیں گے۔ گھر کے جھگڑوں سے اللہ نجات عطا فرمائیں گے۔ اللہ رب العزت ہمیں ان جھگڑوں کے عذاب سے محفوظ فرما کر ہمیں الفت و محبت کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میاں بیوی کے جھگڑے

(بیوی کی ذمہ داریاں)

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

میاں بیوی کے جھگڑے

(بیوی کی ذمہ داریاں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ oوَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَo

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

میاں بیوی کا تعلق گھر کی بنیاد ہے:

ہمارے گھروں سے، ماحول اور معاشرے سے یہ لڑائی جھگڑے کیسے ختم ہوں، اس پر کئی دنوں سے بات چل رہی ہے۔ ان لڑائی جھگڑوں میں ایک بڑا رول میاں بیوی کے لڑائی جھگڑوں کا ہوتا ہے۔ میاں بیوی دونوں مل کر ایک گھر بنتے ہیں، اگر ان کے آپس کے درمیان بھی لڑائی جھگڑے شروع ہو جائیں تو گویا یہ گھر کے بے آباد ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔ میاں بیوی کا تعلق کوئی کچا دھاگہ نہیں ہے ایک گہرا رشتہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴾

[اور انہوں نے تم سے پکا عہد لیا ہے]

اس لئے قرآن مجید نے بیوی کو کروٹ کی ساتھی کہا ہے۔ یہ زندگی بھر کا ساتھ ہونا

ہے۔میاں اور بیوی دونوں کو سمجھداری سے کام لینا چاہئے اور محبت و پیار کی زندگی گزار کر شیطان کو اس میں دخل اندازی کا موقع ہی نہیں دینا چاہئے۔اینٹیں جڑتی ہیں تو مکان بن جاتے ہیں، دل جڑتے ہیں تو گھر آباد ہو جاتے ہیں۔یہ ذمہ داری خاوند کی بھی ہوتی ہے اور بیوی کی بھی ہوتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے کام لیں۔

یہ اصول یاد رکھیں! جہاں محبت موٹی ہوتی ہے وہاں عیب پتلے ہوتے ہیں اور جہاں محبت پتلی ہوتی ہے وہاں عیب موٹے ہوتے ہیں۔اس لئے شریعت نے نکاح کے بعد محبت کو اجر اور ثواب کا ذریعہ بتایا ہے۔چنانچہ میاں بیوی آپس میں جتنی محبت کریں گے، جتنا پیار کریں گے اتنا ہی اللہ رب العزت ان سے راضی ہوں گے۔ ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

''جب بیوی اپنے خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے اور خاوند اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں''

شادی کا مقصد

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○

(روم:۲۱)

[اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم میں سے تمہارے لئے جوڑا بنایا، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو۔اور تمہارے درمیان مودت و رحمت رکھ دی۔بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے]

تو معلوم ہوا کہ شادی کا مقصد یہ ہے کہ سکون حاصل ہو۔اور جہاں آپ دیکھیں

کہ میاں بیوی کی زندگی میں سکون نہیں ہر وقت کا جھگڑا اور چخ چخ ہے، ہر وقت جلی کٹی باتیں ایک دوسرے کو کرتے رہتے ہیں۔ بحث مباحثہ میں الجھے رہتے ہیں، سمجھ لیں کہ کہیں نہ کہیں دال میں کالا ہے۔ بیوی کی طرف سے کوتاہی ہے یا میاں کی طرف سے کوتاہی ہے اور عام طور پر ہمارا تجربہ یہی ہے کہ دونوں طرف سے کوتاہی ہوتی ہے۔

آج کا موضوع:

اس سلسلے میں آج ہم بیوی کی سائیڈ کا تذکرہ کریں گے کہ کون سی غلطیاں اور کوتاہیاں وہ کرتی ہے جس کی وجہ سے گھر برباد ہوسکتا ہے۔ انشاء اللہ کل خاوند کے بارے میں تذکرہ کریں گے۔

ایک اصولی بات یاد رکھیں! اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں شادی کا مقصد بتایا لتسکنوا الیھا ''تا کہ تم اپنی بیوی سے سکون پاؤ''۔ جو بھی اپنے خاوند کے لئے سکون کا سبب بنے گی وہ اپنے گھر میں ہنسی خوشی زندگی گزارے گی۔ اور جو خاوند کی پریشانی کا سبب بنے گی وہ خود بھی پریشانی اٹھائے گی۔ اس لئے کہ گھر بسانا عورت کے اختیار میں ہوتا ہے۔ ہمارے بڑے کہا کرتے تھے: کہ مرد اگر کسّی لے کر گھر کو گرانا چاہے تو وہ نہیں گرا سکتا عورت سوئی لے کر گھر کو گرانے لگے تو مرد سے پہلے گرا لیا کرتی ہے۔ اس لئے عورت کو گھر والی کہا جاتا ہے گھر کا بسانا عورت کے اوپر منحصر ہے۔

خاوند سے محبت کا رشتہ مضبوط کریں!

یاد رکھئے! خوبصورت، تعلیم یافتہ اور مالدار بیوی کو بھی خاوند کے دل کی ملکہ بننے کے لئے سمجھداری سے کام کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا زندگی کے اس سفر میں ایک دوسرے

کے ساتھ محبت کا رشتہ مضبوط کریں! بیوی کو چاہئے کہ وہ خاوند کو یقین دہانی کروائے، صرف محبت کا اظہار ضروری نہیں، اس کو محسوس بھی کروائیں کہ واقعی بیوی مجھ سے محبت کرتی ہے۔ خاوند کے سامنے سرد مہری دکھانا جھگڑے کی بنیاد ہوتا ہے۔ شیطان بھی کتنا مکار ہے کہ جب بیوی خاوند کے پاس ہوتی ہے تو اس پر عجیب شرم و حیا طاری کر دیتا ہے اور جب محفل میں بیٹھی ہوتی ہے تو پھر ان کے سامنے کھل کھلا کر ہنس رہی ہوتی ہے۔ تو یہ ذہن میں رکھیں کہ شریعت نے جہاں محبت کے اظہار کرنے کے لئے کہا وہاں محبت کا اظہار کرنا بھی ثواب ہوتا ہے۔

کئی جگہوں پر ہم نے جھگڑوں کی بنیاد ہی یہ دیکھی۔ خاوند پیار بھی کرتا ہے اور محبت کا اظہار بھی کرتا ہے اور بیوی اپنے اندر دل دل میں خوش بھی ہے لیکن اظہار ایسے کرتی ہے کہ جیسے اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا، اظہار ایسے کرتی ہے کہ جیسے مجھے اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ یہ اتنا بڑا بلنڈر ہے کہ اس سے بڑا بلنڈر عورت اپنی زندگی میں نہیں کرسکتی۔ محبت کا جواب ہمیشہ محبت سے دینا چاہئے۔ جب خاوند چاہتا ہے کہ بیوی محبت کا اظہار کرے تو بیوی کے لئے تو یہ سنہری موقع ہے۔ ایسی بات کہے، ایسے الفاظ سے کہے کہ خاوند کا دل باغ باغ ہو جائے۔

آپ ذرا سوچیے! کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے اپنی محبت کا برملا اظہار فرماتی تھیں۔ چنانچہ بات چیت کے دوران ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''عائشہ! آپ مجھے مکھن اور کھجور کو ملا کر کھانے سے بھی زیادہ مرغوب ہو''۔ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) مسکرائیں اور فوراً جواب میں کہا: ''اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! آپ مجھے مکھن اور شہد کو ملا کر کھانے سے بھی زیادہ مرغوب ہیں''۔ نبی علیہ السلام مسکرا پڑے اور فرمایا: ''عائشہ تیرا جواب بہت بہتر ہے''۔ اب دیکھئے! خاوند نے جو بات کہی، بیوی نے ایک قدم آگے بڑھ کر بات کی۔ خاوند سے محبت کا اظہار نہیں

کریں گی تو کس کے ساتھ کریں گی؟ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محبت اظہار چاہتی ہے۔ یاد رکھئے! عشق اور مشک چھپے نہیں رہ سکتے ہمیشہ، اظہار مانگتے ہیں۔ جہاں بھی ہوں گے یہ اپنے آپ کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ اسی طرح بیوی جب خاوند سے محبت کرتی ہے تو یہ سوچنا کہ اگر میں محبت کا اظہار کردوں گی تو خاوند کی نظر میں گر جاؤں گی یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک بندہ اپنے قول سے اور فعل سے محبت کا اظہار کر رہا ہو اور دوسرے بندے کی نظر میں اس کی قدر کم ہو رہی ہو؟ ہاں! جب خاوند چاہتا ہے کہ بیوی محبت کا اظہار کرے اور بیوی ایسے بن کر رہے کہ جیسے وہ تو بالکل ٹھنڈے برف والے دل کی مانند ہے، یہ عورت اپنا گھر برباد کرنے کی خود کوشش کر رہی ہے۔

افسوسناک واقعہ:

چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک غریب گھر کی لڑکی تھی جو کہ خوبصورت تھی۔ ایک نیک امیر گھرانے کے بچے نے اس کی طرف شادی کی آفر بھیجی...... شادی ہوگئی۔ ماں باپ بھی خوش تھے کہ بچی کی شادی اچھی جگہ ہوگئی ہے۔ اس کے بھائیوں کے لئے بھی کوئی روزگار کی صورت نکل آئے گی اور بچی خود بھی خوش رہے گی۔ جب یہ گھر پہنچی تو خاوند نے اس کے ساتھ بہت زیادہ محبت کا اظہار کیا۔ یہ اس محبت کو دیکھ کر نخرے میں آگئی، خاوند جتنا زیادہ محبت کا اظہار کرتا یہ اتنا اس کی طرف سے سردمہری کا ثبوت دیتی۔ خاوند بہت زیادہ اس کی دل جوئی کرتا، صبح شام اس کی رٹ لگی تھی تم میرے گھر کی ملکہ ہو، تم نے میرے گھر کو جنت بنا دیا، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی اچھی خوبصورت بیوی مجھے مل جائے گی۔ یہ جتنا زیادہ اپنی تعریفیں سنتی اتنی زیادہ نخرے میں آتی۔ خیر کچھ دن گزرے، ایک دن یہ روتی دھوتی اپنے گھر واپس آگئی۔ خاوند اس کو

میکے چھوڑ کر چلا گیا۔ ماں نے پوچھا: بیٹی کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ خاوند بہت زیادہ محبت کے موڈ میں تھا، مجھے پیار کر رہا تھا، چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ محبت کا اظہار کروں اور میں ایسے گم صم تھی کہ جیسے مجھ پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا۔ بالآخر تنگ آ کر اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں اس قدر تم سے محبت کرتا ہوں کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ کہنے لگی کہ پتہ نہیں کہ کیا میرے دماغ پر پردہ پڑا کہ میں نے اس وقت نخرے میں آ کر کہہ دیا کہ نہیں مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔ بس یہ لفظ کہنے تھے کہ خاوند غصہ میں آ گیا اور کہنے لگا کہ جب تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں تو جاؤ! جہاں محبت ہو وہیں زندگی گزارنا، میری طرف سے تمہیں تین طلاق ہے۔ اب جب شادی کے ایک مہینے بعد اسکو طلاق ہوگئی اور پھر ماں باپ کے گھر میں اس کو رہنا پڑا تب اس کی آنکھیں کھلیں

لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

پھر اس کے بعد اس کی دوسری شادی نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ جو اچھے رشتے تھے وہ کنواری لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے اور اس کے نام پر تو شادی کا دھبہ لگ چکا تھا۔ اور جو رشتے آتے تھے وہ بہت بوڑھے شادی شدہ لوگوں کے آتے تھے، ان سے شادی کرتے ہوئے یہ گھبراتی تھی۔ تو اس نوجوان، خوبصورت لڑکی کی زندگی روتے دھوتے ہی گزر گئی۔

تو دیکھیں! یہ کتنی بڑی بے وقوفی ہے، وہ زندگی کا ساتھی ہے، وہ اپنے دل کے سکون کے لئے، دل کے اطمینان کے لئے اگر یہ چاہتا ہے کہ میں اس بیوی سے اتنی محبت کرتا ہوں تو یہ بھی مجھ سے محبت کرے، تو بیوی کو اس کا اظہار کرنا چاہیئے، کہنا چاہیئے کہ ہاں آپ ہی سے تو محبت ہے، آپ ہی تو میری زندگی کے ساتھی ہیں، میری چاہتیں، میری محبتیں ساری آپ ہی کے لئے ہیں، آپ نے ہی میرے لئے دنیا کو

جنت بنا دیا ہے، میری تو خوشیاں ہی آپ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ایسے الفاظ کہنے میں کیا رکاوٹ ہوتی ہے؟ سوائے اس کے کہ نفس کی شرارت ہوتی ہے یا شیطان بدتمیز اس کے پیچھے پریشان کرنے کے لئے تلا ہوا ہوتا ہے، اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اظہار محبت:

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ السلام کی محبت میں اشعار بنائے اور یہ ان کے شعر بڑے مشہور ہیں کہ جب نبی علیہ السلام عشاء کے بعد صحابہ کی مجلس سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے تھے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام مسکراتے چہرے کے ساتھ آتے تھے، سلام کرتے تھے اس وقت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کو یہ شعر سناتیں تھی۔ کیا شعر سناتیں تھی۔ فرماتی تھیں۔

لَنَاشَمْسٌ وَّلِلْاٰفَاقِ شَمْسٌ

اے آسمان ایک تیرا بھی سورج ہے اور ایک ہمارا بھی سورج ہے۔

وَ شَمْسِیْ خَیْرٌ مِنْ شَمْسِ السَّمَاءِ

اور میرا سورج آسمان کے سورج سے بہت بہتر ہے

فَاِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَعْدَ فَجْرٍ

اس لئے کہ آسمان کا سورج تو فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے

وَ شَمْسِیْ طَالِعٌ بَعْدَ الْعِشَاءِ

اور میرا سورج تو میرے گھر میں عشاء کے بعد طلوع ہوتا ہے

اب سوچئے کہ بیوی اگر ان الفاظ سے خاوند کا استقبال کرے تو خاوند کے دل میں کس قدر بیوی کی محبت آئے گی! کوئی ہے آپ میں سے ایسی بیوی کہ جس نے کبھی خاوند کی محبت میں ایسے اشعار کہے ہوں یا کوئی فقرہ ہی ایسا بول دیا ہو۔ عورت یہ سمجھ

لیتی ہے کہ بس خاوند کی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ اظہار کرے اور اپنے آپ کو سمجھتی ہے کہ میں جتنا اظہار نہیں کروں گی اتنی بڑی محبوبہ بنوں گی یہ بہت بڑی Misunderstanding (غلط فہمی) ہے۔ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے چاہئے کہ محبت کا اچھے انداز سے اظہار کیا جائے، عمل سے بھی، قول سے بھی، فعل سے بھی۔ چنانچہ جب خاوند محبت کا اظہار کرے تو بیوی بھی جواب میں محبت کا اظہار ضرور کرے، ایسے الفاظ سے کہ خاوند کا دل مطمئن ہو جائے کہ میری بیوی مجھے ہی چاہتی ہے۔

یہ ذہن میں رکھنا کہ اگر خاوند کے دل میں شک پڑ جائے کہ میری بیوی مجھے بھی چاہتی ہے تو یہ جو نقطہ ہے ہی اور بھی کا۔ یہ خاوند کے دل میں فرق ڈال دیتا ہے۔ بیوی کو ایسے زندگی گزارنی چاہیے کہ خاوند کو یقین دہانی کرائے کہ آپ ہی سے محبت کرتی ہوں۔

اپنی خوشی پر خاوند کی خوشی کو ترجیح دے:

دوسری عام طور پہ غلطی یہ کہ اپنی خوشی پر خاوند کی خوشی کو ترجیح دینا۔ اس کو یہ فکر لگی رہے کہ خاوند کا دل اس سے خوش رہے۔ یہ نہیں کہ بس ہر وقت مجھے ہی خوش رہنا ہے۔ خاوند کی خوشی کا خیال رکھے۔ اس کا دل خوش ہوگا تو گھر کی ذمہ داریوں کو بھی قبول کرے گا، اس کی توجہ کا اطلاق باہر کی بجائے اپنا گھر بن جائے گا۔ وہ دفتر میں بیٹھ کر گھر کے لئے اداس ہوگا۔ لوگ اسے اپنے کام کے لئے روکیں گے اور یہ جان چھڑا کر گھر کی طرف بھاگ رہا ہوگا۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ سمجھتا ہوگا کہ گھر جا کر مجھے سکون ملے گا۔

خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے، کئی دفعہ دیکھا کہ خاوند ایک بات سے منع کرتا ہے، بیوی سنی ان سنی کر دیتی ہے، اور پھر وہی کام کرتی ہے۔ جب منع کرنے کے باوجود پھر وہی کام کیا جائے تو یہ چیز جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔ اور جھگڑا نہ

بھی ہو تو دل میں میل آنے کا سبب ضرور بن جاتی ہے۔

خاوند کوئی کام کہے تو ذمہ داری سے کرو!

ایک تیسری بات کہ اگر خاوند کوئی کام ذمہ لگائے اسے اس طرح کرو کہ خاوند بے فکر ہو جائے۔ یہ نہیں جو کام اس نے ذمہ لگایا اس کو تو کیا نہیں اور دوسرے کاموں میں لگی رہی۔ مثال کے طور پر: خاوند نے صبح دفتر جانا ہوتا ہے، اس وقت خاوند کے کپڑے تیار ہوں، اس کا کھانا تیار ہو، یہ بیوی کی ذمہ داری ہے۔ اب خاوند کے دفتر کا وقت ہو گیا اور بیوی بیچاری نے ابھی کپڑے ہی نہیں نکالے۔ کیوں نہیں نکالے؟ جی میں سو کر ہی دیر سے اٹھی ہوں، تو یہ چیز الجھن کا سبب بنے گی۔ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے کہ مجھے اس موقع پر کیا کرنا ہے۔ سونے کا، جاگنے کا کچھ اصول ہونا چاہئے۔ کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ عورت کو اپنے ہاتھ سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اب گھر کی نوکرانیوں کو کہہ دینا کہ کپڑے دھو دینا، کپڑے استری کر دینا۔ اور خاوند کے لئے یہ سمجھ لینا کہ خود ہی کپڑے نکال لے گا اور تیار ہو کر دفتر میں چلا جائے گا اور اس وقت میری نیند میں خلل نہیں آنا چاہئے، یہ انتہائی بے وقوفوں والی بات ہے۔ یہ زندگی کی ساتھی ہے۔ اسے اپنی خدمت کے ذریعے خاوند کا دل جیتنا چاہیے۔ چنانچہ اگر خاوند کوئی بھی کام ذمہ لگائے تو اسے اپنا Charter of duty (فرض منصبی) سمجھے، اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں۔

فرمائش کرتے ہوئے مرد کی گنجائش کو دیکھنا چاہیے:

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات عورت مرد کی گنجائش سے بڑی فرمائش کر دیتی ہے۔ تو فرمائش کرتے ہوئے خاوند کی گنجائش کو بھی دیکھا کرو! اب اگر خاوند Afford ہی نہیں کر سکتا اور آپ نے ضد کر کے اگر کپڑے خرید بھی لئے تو پہن کر

خاوند کو آپ خوش کیسے کرسکتی ہیں؟اس کا دل اگر دکھی ہوگا تو آپ نئے کپڑے لے کراس کی محبت میں کوئی اضافہ نہیں کریں گی۔تو یہ اصول کی بات یادرکھیں کہ فرمائش ہمیشہ گنجائش کے مطابق ہونی چاہئے۔

خاوند کی عطا پر شکریہ ادا کریں:

آپ کی فرمائش کو اگر خاوند پورا کر دے تو آپ اس کا شکریہ بھی ادا کریں۔یہ بھی دیکھا گیا کہ خاوند بیوی کی ہر جائز ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور جواب میں بیوی کی زبان سے شکریہ کا لفظ ہی نہیں نکلتا۔کیوں نہیں نکلتا؟ اللہ جانے۔یہ وہ بڑی بڑی غلطیاں ہیں جو ظاہر میں چھوٹی نظر آتی ہیں مگر دلوں میں فرق ڈال دیتی ہیں۔خاوند تحفہ لایا، پھل خرید کرلایا، خاص طور پر کوئی چیز اپنی بیوی کے لئے لایا اور بیوی اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دے، ایسے سمجھے کہ ہاں ٹھیک ہے آگئی ہے کوئی بات نہیں۔

تو اس طرح اگر بے پرواہی کا اظہار کریں گی تو خاوند کے دل پراس کی چوٹ لگے گی۔جب خاوند تحفہ لائے تو آپ اس کو اس کی اہمیت کا احساس دلائیں اور خوشی کا اظہار کریں تاکہ اگلی دفعہ اس سے بہتر تحفہ کی مستحق بن سکیں۔

خاوند کے آتے ہی گھر کا رونا دھونا نہ لے کر بیٹھ جائے:

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ خاوند جیسے ہی گھر میں آئے فوراً اس کے سامنے رونا دھونا نہ لے کر بیٹھ جائے۔پہلے اس سے بات چیت کر کے یہ پوچھے کہ باہر اس کا وقت کیسے گزرا۔وہ خوش گھر آیا ہے یا کسی بات کی وجہ سے پریشان گھر آیا ہے۔یہ بات تو معلوم نہیں کرتیں بس خاوند کو دیکھتی ہیں تو اپنا رونا رونے بیٹھ جاتی ہیں۔پہلے آپ اس سے بات چیت کریں، اس سے پوچھیں، اس کا اندازہ لگائیں کہ خاوند باہر سے کس کیفیت کے ساتھ آیا ہے؟ کوئی کاروباری پریشانی، کسی آدمی نے کسی معاملے میں ذہنی

طور پر پریشان تو نہیں کر دیا، اس کو غصہ تو نہیں دلا دیا۔ خاوند اگر باہر ہی سے کسی پریشانی کے عالم میں آیا ہے تو اب بیوی کو چاہئے کہ پہلے اسکے دل کو خوش کرے، اس سے میٹھی میٹھی پیار والی باتیں کرے، ہنسی خوشی باتیں کر کے، اس کے موڈ کو نارمل کرے، پھر اس کے بعد جو کہنا ہے کہے۔ لیکن خاوند پر نظر پڑتے ہی شکوے شکایت کرنے بیٹھ جانا، تمہاری امی نے یہ کہہ دیا، تمہاری بہن نے یہ کر دیا، میں تو اس گھر میں آکر پریشان ہوگئی، تم مجھے کن مصیبتوں کے پلے ڈال کر چلے گئے؟ اس قسم کی باتیں تو اسے اور زیادہ frustrate (پریشان) کرنے والی بات ہے۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ باہر سے آنے والے خاوند کو پہلے بٹھائیں اور بات چیت کے ذریعے اندازہ لگائیں کہ اس کا ذہن فریش ہے یا نہیں اگر جانے کہ ٹھیک ہے تو جو آپ کی جائز بات ہے ضرور کریں۔ موقع کی بات سونے کی ڈلیوں کی مانند ہوتی ہے اور بے موقع بات جھگڑے کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر کسی وقت آپ کا خاوند غصہ میں ہے تو پھر اس کے سامنے بالکل نرم ہو جائیں۔ اتنی نفسیات ہر بیوی کو سمجھنی چاہییں۔

جب خاوند غصے میں ہو تو بیوی نرم ہو جائے:

رسی کا ایک سرا اگر کوئی ڈھیلا چھوڑ دے اور دوسرا کھینچے تو رسی کبھی نہیں ٹوٹتی۔ رسی جبھی ٹوٹتی ہے جب ایک سرا ایک بندہ کھینچتا ہے اور دوسرا سرا دوسرا بندہ کھینچنا شروع کر دیتا ہے۔ اب خاوند کسی وقت غصہ میں ہے اور جواب میں بیوی صاحبہ نے بھی موڈ بنا لیا، یہ تو محاذِ جنگ کھولنے والی بات ہوگئی نا! اس لئے اگر خاوند غصہ میں ہے تو آپ نرم ہو جائیں اور اگر خاوند ناراض ہے تو آپ اس کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ محبت کے ایک بول سے خاوند راضی ہو جاتا ہے۔ روٹھا ہوا خاوند مسکرا پڑتا ہے۔

سمجھداری سے کام لیں:

اس لیے آپ سمجھداری سے کام لیں فقط یہ بات کہ میں خوبصورت ہوں، کافی نہیں ہوتی۔ خاوند کو خوش کرنے کے لئے چھلکتے ہوئے، دمکتے ہوئے حسن کی ضرورت نہیں ہوتی، سمجھداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کتنی ایسی عورتیں ہیں جو شکل کی نارمل سی ہوتی ہیں مگر اپنے خاوند کے دل پر راج کرتی ہیں۔ اس لئے بزرگوں نے مقولہ بنایا

''وہی سہاگن جسے پیا چاہے''

وہی سہاگن ہوتی ہے جسے خاوند پسند کرے۔ کیا عجیب بات ہے کہ لڑکی کی شکل صرف ایک ولیمہ کے دن لوگ دیکھتے ہیں اور باقی ساری عمر اس کی عقل دیکھی جاتی ہے۔ اور لڑکی کو پسند کرتے ہوئے بعض دفعہ ساس صاحبہ اس کی عقل دیکھتی ہی نہیں، فقط شکل پر ہی لٹو ہو جاتی ہیں اور کئی دفعہ خاوند صاحب ہی شکل پر لٹو ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ بھی سمجھاتے ہیں کہ نہیں تیری شادی اس کے ساتھ ٹھیک نہیں، نوجوان ضد کر لیتے ہیں کہ نہیں مجھے تو اس کے ساتھ ہی شادی کرنی ہے۔ اس لئے کہ کہیں ایک نظر دیکھی اور ظاہر کی شکل دیکھ کر وہ اچھی لگ گئی۔ اب ماں باپ کو بہت مجبور کر کے وہاں شادی کرواتے ہیں اور جب وہ گھر آتی ہے تو پھر انسان کو اس وقت اس کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ اتنی خوبصورت شکل کے اندر عقل کی تو رتی بھی نہیں تھی۔ تو جب ساری زندگی عقل نے کام آنا ہے پھر اس کو کیوں نہیں دیکھتے۔ اس لئے سمجھداری، عقلمندی گھر آباد کرنے کی بنیادی وجہ ہے۔

حسن انتظام اور سلیقہ شعاری سے کام لیں:

عورت کو چاہئے کہ وہ حسن انتظام کے ذریعے اپنے گھر کو پر وقار بنا دے۔ جتنی

عورت عقلمند ہوگی اتنی ہی وہ اپنے گھر کے اندر ہر چیز ترتیب سے رکھے گی۔ بے ترتیب چیزیں پھیلا دینا، گھر کو گندا رکھنا، بچوں کو گندا رکھنا، خود بھی گندی بنے رہنا اس چیز کا گھر برباد کرنے میں ایک بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ گھر کی صفائی کے لئے کوئی قیمت بھی خرچ نہیں کرنی پڑتی، ہاں وقت نکال لیں گھر کو بھی صاف رکھیں، اپنے آپ کو بھی صاف رکھیں، اپنے بچوں کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ صفائی آدھا ایمان ہے۔

اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ

جب شریعت کہہ رہی ہے کہ "صفائی آدھا ایمان ہے" تو ہمیں بھی صفائی سے محبت ہونی چاہیے، دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جو کہے کہ مجھے صاف ستھرا گھر اچھا نہیں لگتا، مجھے صاف ستھرا بچہ اچھا نہیں لگتا۔ یہ کیسے ممکن ہے! اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ صاف ستھرا ماحول، صاف ستھرے بچے، صاف ستھری بیوی ہمیشہ اس کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور صاف ستھرا رہنے کے لئے کوئی بہت قیمتی لباس کی بھی ضرورت نہیں، ایک عام قیمت کا لباس بھی اگر عورت پہنے لیکن صاف ستھرا ہو اور اس کی بناوٹ اگر پرکشش ہو تو وہ خاوند کے دل کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔ اس کو حسنِ انتظام کہتے ہیں۔ تو اپنے حسنِ انتظام سے اپنے گھر کے ماحول کو پروقار بنائیں اور کفایت شعاری دکھائیں۔

اگر حسنِ انتظام نہیں ہوگا، بتیاں جلتی رہیں گی تو بل زیادہ آئے گا، اگر ٹوٹیوں سے پانی بہتا رہے گا تو پانی کا بل زیادہ آئے گا، اگر کھانا وقت پر فریج میں نہیں رکھا جائے گا تو کھانا خراب ہو جائے گا اور اگر برتنوں کو صحیح ترتیب سے نہیں رکھا جائے گا تو وہ ٹوٹیں گے اور خراب ہو جائیں گے تو بد نظمی سے بے برکتی ہوتی ہے، کام الجھتے ہیں، وقت ضائع ہوتا ہے، چیزیں خراب ہو جاتی ہیں، نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہر چیز کو اپنی جگہ پر رکھنا، وقت پہ صاف کر دینا یہ اچھی عادت ہوتی ہے۔ تو عورت اس کو اپنی

ذمہ داری سمجھے۔

خاوند کے ساتھ ضد بازی نہ کریں:

یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ تابع فرمان عورتیں بالآخر اپنے خاوند کو اپنا تابع دار بنا لیتی ہیں۔ وہ عورتیں جو خاوند کی مرضی کو پورا کرنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ خاوند کے دل میں ان کیلئے اتنی محبت ہوتی ہے کہ پھر خاوند ان کی ہر مرضی کو پورا کر دکھاتا ہے۔ فرمانبرداری، خدمت گزاری، وہ اچھی صفات ہیں کہ جن کی وجہ سے عورت اپنے خاوند کے دل کی ملکہ بن سکتی ہے۔ اس میں جو رکاوٹ بنتی ہے وہ انانیت ہے، ضد بازی ہے۔ ساری دنیا سے ضد کرلو! اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا خاوند کے ساتھ ضد بازی کا نقصان ہوتا ہے۔ اور کئی بچیاں تو خاوند ہی کے ساتھ ضد کرتی ہیں، باقی سارے لوگوں کے ساتھ نارمل رہتی ہیں۔ خاوند کے ساتھ ضد بازی بنا لیتی ہیں۔ تو خاوند کے ساتھ ضد کرکے دنگل کا اعلان مت کریں! انجام ہمیشہ اس کا برا ہی ہوتا ہے۔ عاجزی اللہ رب العزت کو بھی پسند ہے اور عاجزی انسان کے مسائل کا حل بھی ہے۔ کوئی کام وقت پر نہ کرسکی، کوتاہی رہ گئی، کمی رہ گئی Sorry کر لینے میں کیا رکاوٹ ہے؟ معافی مانگ لینے میں کیا رکاوٹ ہے؟ غلطی کو مان لینے میں کیا رکاوٹ ہے؟ آگے سے ضد کر لینا، انا کا مسئلہ بنا لینا، جھگڑا کر بیٹھنا، بحث کر بیٹھنا یہ چیز پھر انسان کے لئے پریشانیوں کا سبب بنتی ہے۔

غصے میں آئے خاوند کو دلیل مت دیں:

کبھی بھی غصے میں آئے ہوئے خاوند کے سامنے logic (دلیل) مت دیں، کبھی بھی غصے میں آئے ہوئے خاوند کو طعنہ مت دیں۔ یہ تو آگ کے اوپر تیل ڈالنے والی بات ہے بلکہ پٹرول ڈالنے والی بات ہے۔ شیطان مردود یہی تو چاہتا ہے کہ خاو

غصہ میں پہلے ہی ہے، یہ اس کو اور غصہ دلائے اور خاوند زبان سے طلاق کا لفظ نکالے۔ تو یہ ذہن میں رکھیں کہ جب بالفرض بلا وجہ ہی خاوند ناراض ہو گیا تو غصہ کی حالت میں کبھی اس کے سامنے logic نہیں دینی، خاموشی اختیار کرنی ہے، اگر بولنا ہے تو نرم بول بولنا ہے، دیکھنا ہے تو محبت سے دیکھنا ہے، ایسا کہ دوسرے بندے کا غصہ ہی بالکل ختم ہو جائے۔

پر کشش لباس پہنیں:

لباس پہنو تو پر کشش پہنو! پر کشش کا یہ مطلب نہیں کہ آدھا جسم ننگا ہو اور آدھا جسم ڈھانپا ہو، شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے عورت ایسا لباس پہنے کہ اس کے جسم کے اوپر پر کشش لگے۔ بے ڈھنگا لباس پہننا، ایسا لباس کہ جس کو دیکھ کر بندہ ذرا بھی متوجہ نہ ہو، یہ بھی اچھی عادت نہیں۔ بعض نیک بیبیاں سادگی کے نام پر اپنے کپڑوں کی طرف سے بالکل ہی بے دھیان بن جاتی ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ خاوند جب بھی بیوی کی طرف دیکھتا ہے، وہ اسے پر کشش دیکھنا چاہتا ہے۔ اور جب اس کی بیوی پر کشش نہیں ہوتی تو صاف ظاہر ہے کہ اسے باہر بہت زیادہ پر کشش چیزیں نظر آ جاتی ہیں۔ جو گندگی اسے باہر متوجہ کر سکتی ہے کیا وہ اچھائی بن کر اسے گھر میں متوجہ نہیں کر سکتی؟ تو لباس ایسا بنائیں کہ ہمیشہ پُر کشش ہو۔ رسم و رواج کو سامنے نہ رکھیں بلکہ اس کو سامنے رکھیں کہ یہ لباس میرے جسم کو پُر کشش دکھائے۔ میرے جسم پر پہنا ہوا خاوند کو پسند آ جائے۔

خاوند سے مخلص اور نیک نیت بنیں:

یہ اور بات ہے کہ کچھ عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کپڑے پہننے سے ان کے حسن میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کپڑے پہن لیتی ہیں ان کپڑوں کے حسن میں اضافہ ہو جاتا

ہے، ان کے چہروں پر معصومیت ہوتی ہے، ان کے چہروں پہ تقویٰ کا نور ہوتا ہے پھر ان کا لباس، جب وہ پہن لیتی ہیں تو وہ خود ہی خوبصورت نظر آنے لگ جاتا ہے۔ تو عورت کو چاہئے کہ دل کی معصومیّت سے اپنے خاوند کا دل جیت لے۔ یہ دل کی معصومیّت ہر خاوند کو اچھی لگتی ہے اور جب خاوند کا دل یہ سمجھتا ہے نا کہ میری بیوی دل سے بہت معصوم ہے، انتہا درجے کی مخلص ہے تو اس بیوی کو وہ ہمیشہ اپنی آنکھ کی پتلی بنا کے رکھتا ہے۔ جھوٹی عورت، کینہ پرور عورت، دھوکہ دینے والی، خاوند کو Miss guide (گمراہ) کرنے والی عورت ہمیشہ اپنا گھر برباد کروا بیٹھتی ہے۔

خاوند کے ساتھ کبھی جھوٹ کا معاملہ نہ برتیں۔ جس بندے کے ساتھ کبھی ایک دو گھنٹے کے لئے ملاقات ہے اس کے سامنے تو جھوٹ چل جاتا ہے۔ اور جس کے ساتھ چوبیس گھنٹے کا واسطہ ہو اس کے ساتھ جھوٹ نہیں چلتا۔ ایک نہیں تو دو، دو نہیں تو تین دن بعد کبھی نہ کبھی جھوٹ کھل ہی جاتا ہے۔ اور جب خاوند کو یہ احساس ہو جائے کہ بیوی میرے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو پھر بیوی کا مقام خاوند کی نظر میں گر جاتا ہے۔ اس لئے جھوٹ بولنا، خاوند کے بارے میں دل میں نفرت اور کینہ رکھنا، یہ عورت کی غلطیوں میں سے ایک بڑی غلطی ہوتی ہے۔ بلکہ جتنی نیک نیت آپ ہوں گی اس کا اثر آپ کے خاوند کے دل پر پڑے گا۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے:

یہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آپ کے دل میں خاوند کی عظمت ہوگی، پیار ہوگا، محبت ہوگی، خود بخود خاوند کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوگی۔

چنانچہ ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جا رہا تھا اس نے اپنے وزیر سے پوچھا: یہ جو کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اس کا کیا معنی ہے؟ وزیر باتدبیر تھا۔ اس

نے کہا: بادشاہ سلامت! آپ کو یہ بات میں آنکھوں سے دکھا سکتا ہوں، مگر آپ ذرا کسی وقت عام کپڑے پہن کر میرے ساتھ چلیں، بہت اچھا۔ چنانچہ ایک دن بادشاہ نے اپنا تاج اور اپنے کپڑے اتار کر عام لوگوں کا لباس پہن لیا اور وزیر کے ساتھ باہر محل سے نکل گیا۔ چلتے چلتے ایک بندہ آگے آرہا تھا تو وزیر نے بادشاہ سے پوچھا کہ بادشاہ سلامت یہ کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا بیوقوف لگتا ہے، جاہل ہے، لگتا ہے کوئی تمیز نہیں ہے اس کو، اس نے کہا: ٹھیک۔ آئیں ذرا پھر اس بندے سے سنیں۔ وزیر اس بندے کے پاس گیا، سلام دعا کی۔ کہنے لگا سناؤ یار! آجکل ہمارا بادشاہ کیسا ہے؟ کہنے لگا: پتہ نہیں کہاں کا بیوقوف بادشاہ بن گیا ہے؟ اس کو سمجھ ہی نہیں ہے، وہ بادشاہ بننے کے لائق ہی نہیں ہے۔ اس نے بھی آگے سے ایسے ہی الٹے سیدھے کمنٹس دے دیے۔ خیر تھوڑا سا اور آگے گئے تو وزیر کی نظر ایک اور نوجوان پر پڑی۔ اس نے بادشاہ سے پوچھا: بادشاہ سلامت اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا: بھلا آدمی نظر آتا ہے۔ اس نے کہا: آئیں اب ذرا اس سے پوچھتے ہیں۔ وزیر نے اس سے جا کے پوچھا: سناؤ بھئی! ہمارا بادشاہ کیسا ہے؟ کہنے لگا! یار! بہت ہی سمجھدار ہے، اور اس نے تو رعایا کو بہت ہی خوش کر رکھا ہے، اور ہم لوگ تو بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہمارا بادشاہ اس قدر قابل ہے۔ اب وزیر نے بادشاہ کو کہا: کہ دیکھیں آپ کے ذہن میں دوسروں کے بارے میں جو خیالات آرہے تھے، آپ کے بارے میں وہی خیالات دوسرے بندے کے دل میں آرہے تھے۔ یہ ہے کہ "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے"۔

آپ کے دل میں اگر دوسروں کے لئے محبت کے جذبات اٹھ رہے ہیں، پیار آرہا ہے تو یہ پیغام اس کو خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ اور دوسرا دل اس پیغام کو خود بخود لے لیتا ہے اور دوسرے کے دل میں بھی اس کے بارے میں پیار اور محبت کے جذبات

پیدا ہو جاتے ہیں۔تو اپنے دل میں خاوند کے بارے میں ہمیشہ محبت رکھیں۔ بلکہ اگر خاوند کی کوتاہیاں بھی ہوں، اگر غلطیاں بھی ہوں، اگر وہ بدکاری میں پڑنے والا بھی ہوآپ کا تو خاوند ہے نا،آپ اس کے عیبوں کو جاننے کے باوجود اس سے محبت کریں۔ وہ آپ کی زندگی کا ساتھی ہے، دوستوں نے، ماحول نے، حالات نے اس کو بگاڑ دیا، اب آپ کی محبت اس کو نیکی کی طرف لے آئے گی اور آپ کے جھگڑے اس کو اور زیادہ برا بنا دیں گے۔تو عیبوں کو جانتے ہوئے بھی درگزر سے کام لینا، اللہ رب العزت کی صفت ہے۔اور حدیث پاک میں فرمایا گیا:

وَ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ

(تم اپنے آپ کو اللہ کے اخلاق سے مزین کرو)

عورت کو چاہئے کہ خاوند کی بدکرداری کے باوجود، غلطیوں کے باوجود اپنے دل میں اس کے ساتھ محبت رکھے۔

باہر گھومنے پھرنے کی عادت نہ ڈالیں:

ایک اور بات جو جھگڑے کا باعث بنتی ہے وہ باہر گھومنے کی عادت ہے۔ عام طور مرد عورتوں کو گھومنے کی عادت ڈالتے ہیں۔اور کئی مرتبہ یہ عادت عورتوں کو ماں باپ کے گھر سے ہی پڑی ہوتی ہے، باہر گھومنے کی۔ یہ باہر گھومنا ازدواجی زندگی کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔اس کی کیا وجہ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت جب باہر نکلتی ہے تو شیطان تانک جھانک کرنے والوں کو بھی ساتھ لگا دیتا ہے۔اب دو قسم کی مصیبتیں سامنے آئیں، باہر کے مرد ہوں گے جو اس عورت کی تانک جھانک میں لگیں گے اور کسی کو اس کی شکل اچھی لگ گئی تو وہ اس کا اتا پتا کرے گا اسکو میسج کرنے کی کوشش کرے گا اور خواہ مخواہ اس کا گھر برباد کرے گا۔اور خاوند کی نظر کسی غیر پر پڑ گئی تو خاوند اپنی بیوی کی بجائے اس کے ساتھ Attach زیادہ ہو جائے گا۔تو میاں

بیوی کا یہ سوچنا کہ آؤ! گھومتے پھرتے ہیں، یہ فرنگیوں کی طرز ہے، فرنگیوں کا طریقہ کار ہے۔ اس لئے ہم نے تو اس کا انجام ہمیشہ برا ہی دیکھا ہے۔ عورتیں اگر اپنے خاوند کے ساتھ باہر جانا چاہتی ہیں تو کسی پارک میں جانا یا کسی ایسی جگہ پر جانا جہاں پر عام مجمع نہ ہو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر گھر کی بجائے...... چلو! پیزا ہٹ پر جا کے کھانا کھا کے آتے ہیں، اچھا بھئی! آج ہم جا کر ''کے ایف سی'' پر کھانا کھاتے ہیں، یہ جو مصیبت ہے اور زندگی کی ترتیب ہے یہ بہت ہی زیادہ انسان کے لئے نقصان دہ ہے۔ یا تو شیطان بیوی کو کسی گناہ میں پھنسانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، یا خاوند کو کسی گناہ میں پھنسانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو اس لئے پبلک مقامات پر گھومنے کی عادت ڈالنا یہ عام طور پر جھگڑوں کا سبب بنتا ہے۔ یاد رکھیں! اچھی زندگی گزارنے کے لئے اگر خاوند کو گھر میں ہی چولہا گرم مل جائے اور گرم دل مل جائے، تو اس کے سوا اس کو کوئی تیسری چیز نہیں چاہئے ہوتی۔ آپ گھر میں ہی اس کو اچھے کھانے بنا کر دے دیں اور گھر میں ہی اس کو اپنے دل کی گرمی کا احساس دلا دیں کہ آپ کتنی محبت کرتی ہیں۔ تو پھر خاوند کو باہر گھومنے کی کیا ضرورت ہے۔

خاوند سے ملاقات میں عذر نہ کریں:

یہ بھی دیکھا کہ کئی مرتبہ خاوند چاہتا ہے کہ بیوی سے ملاقات کروں، ملوں، اور بیوی صاحبہ کے عذر بہانے ہی ختم نہیں ہوتے۔ یہ چیز جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔ خاوند غصے میں ہو تو اس کو بھی عقلمندی سے ڈیل کرنا چاہئے اور خاوند پر جب شہوت کا بھوت سوار ہو تو اس کے ساتھ بھی عقلمندی کا معاملہ کرنا چاہئے۔ جیسے بھی ہو، اس کے اس نشے کو اتارو! شریعت نے تو یہاں تک بھی کہا کہ عورت اگر اونٹ کے اوپر سوار ہے اور خاوند اشارہ کرے کہ نیچے آؤ! مجھے تمہاری ضرورت ہے، تو وہ اونٹ سے نیچے اترے، خاوند کی ضرورت کو پورا کرے اور پھر اونٹ پر دوبارہ چڑھ کر بیٹھے۔ شریعت نے کتنے

خوبصورت اصول ہمیں بتا دیئے۔ اور یہاں تو میاں بیوی ہیں، ایک بستر پر ہیں اور بیوی کے بہانے نہیں ختم ہوتے۔

خاوند پر شک نہ کریں:

ایک اور چیز جو جھگڑے کا سبب بنتی ہے وہ یہ کہ خاوند کبھی کبھی کام کی وجہ سے، دفتر کی وجہ سے، دین کے کام کی وجہ سے یا دوستوں کی وجہ سے گھر دیر سے آتا ہے، تو خاوند کے دیر سے آنے پر یہ شک دل میں رکھ لینا کہ باہر اس کا کسی کے ساتھ کوئی تعلق ہے، یہ انتہائی نقصان دہ بات ہے۔ جب بیوی خاوند کو کسی ایسے گناہ کا طعنہ دے جو اس نے نہیں کیا، تو اس پر خاوند کا طیش میں آنا ایک مرد ہونے کے ناطے ہمیشہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کیا بیوی الزام برداشت کر سکتی ہے کہ خاوند اس کو کہے کہ تمہارا کسی غیر کے ساتھ تعلق ہے، اگر بیوی اس بات کو سن کر فوراً بھڑک جاتی ہے کہ تم نے یہ بات کر کیسے دی؟ تو خاوند کا بھی تو یہی معاملہ ہے...... اگر وہ دیر سے آیا تو دیر سے آنے کی تو سو وجوہات ہوتی ہیں۔ چلو وہ دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر گپیں مارتا رہا، کھاتا پیتا رہا، یا دفتر میں دیر لگ گئی، یا کسی دین کے کام میں مسجد میں بیٹھا رہا، تو دیر سے آنے کی تو بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ہمیشہ اس سے ایک ہی نتیجہ نکالنا کہ جی خاوند دیر سے گھر آتا ہے، مجھے تو لگتا ہے کہ دال میں کالا کالا ہے۔ یہ بدگمانی میاں اور بیوی کے درمیان نفرتیں پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا بغیر کسی ٹھوس شواہد کے خاوند کے اوپر بدگمانی نہ کریں۔ بس زیادہ محبت دیں، تاکہ اس کو باہر کے بجائے اپنے گھر کے اندر محبت ملے۔ اگر گھر میں آپ جھگڑا کرنے کی عادی بن گئیں، ضد کرنے کی عادی بن گئیں اور صبح اپنے خاوند کا نہ ناشتا تیار کیا، نہ کپڑے دیئے، اور خود ہی اٹھ کر اس نے اپنے کپڑے لئے اور پہنے اور اسی طرح گھر سے بھوکا چلا گیا، تو ایسا پریشان حال خاوند جب دفتر میں جائے گا اور وہاں دفتر میں کام کرنے والی کوئی بے پردہ لڑکی اس کو یہ لفظ

کہہ دے کہ ''سر آج آپ بڑے پریشان نظر آتے ہیں'' تو بس یہ ایک فقرہ خاوند کو اس کی طرف متوجہ کر کے رکھ دے گا۔ پھر دفتر میں اس کا افیئر شروع ہو جائے گا۔ آپ اس کو گھر سے پریشان مت بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: لتسکنوا الیھا تاکہ خاوند تم سے سکون پائے۔ جب آپ نے بغیر سکون کے اس کو گھر سے بھیج دیا تو بنیادی غلطی تو آپ نے کی۔

روٹھے شوہر کو منانے کی کوشش کریں:

اور اگر آپ محسوس کریں کہ شوہر روٹھا ہوا ہے تو اس کو منانے کی کوشش کریں۔ کبھی بھی ایسی صورت نہیں ہونی چاہئے کہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ ناراضگی کی حالت میں سو جائے۔ نہیں، جب تک ایک دوسرے سے معافی تلافی نہ کرلیں، Sorry نہ کرلیں، ایک دوسرے سے پیار محبت نہ کرلیں، کبھی اس وقت تک مت سوئیں۔ غصے کی حالت میں جب ایک کا چہراہ ایک طرف ہو اور دوسرے کا دوسری طرف ہو، تو سمجھ لیں کہ ہم نے زندگی کے فاصلے طے کرنے کے لئے مختلف سمتوں کو قبول کرلیا۔ ایسی عورت جو ناراض شوہر کی پرواہ ہی نہیں کرتی، وہ شوہر کی موجودگی کے باوجود بیوگی کی زندگی گزارنے والی عورت ہوتی ہے۔ کئی ایسی بھی تو عورتیں ہوتی ہیں نا کہ جو شوہر کے ہوتے ہوئے بھی بیوہ ہوتی ہیں۔ یہ ایسی ہی عورتیں ہوتی ہیں ضدی، خواہ مخواہ خاوند کے ساتھ جھگڑا کر لینا، یہ چیز زندگی کو مشکل میں ڈال دیتی ہے۔

خاوند کا دوسروں کی نظر میں وقار بڑھائیں:

اور کبھی کبھی جھگڑے کا سبب یہ بنتا ہے کہ خاوند برا ہوتا ہے مگر بیوی اس کی برائی کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتی ہے۔ میکے بھی فون کر کے اپنی امی کو بتا رہی ہے کہ کس

مصیبت میں آپ نے مجھے ڈال دیا۔ سہیلیوں کو بھی فون کر کے بتا رہی ہے کہ میں تو مصیبت میں پڑ گئی۔ بچوں کے سامنے بھی باپ کی برائی کر رہی ہے۔ اس کے منہ کے سامنے بھی اس کو برا کہتی ہے۔ جب آپ نے اس کی برائی کا اتنا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا تو آپ اس کی نظر میں کہاں سے اچھی رہیں؟ آپ نے بھی تو ثابت کر دیا کہ برائی میں اس نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ یاد رکھیں! ہمیشہ اپنے خاوند کی دوسروں کے سامنے عزت بنائیں۔ خاوند آپ کا دل دکھائے، آپ کو پریشان کر دے، مگر پھر بھی آپ کی عادت یہ ہو، آپ کا خلق یہ ہونا چاہئے کہ دوسروں کے سامنے اس کا اچھا تذکرہ کریں، اس طرح بات کریں کہ دوسروں کی نظر میں خاوند کی عزت اور مقام بڑھ جائے، یہ گھر آباد کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہوتا ہے۔

خاوند کو فیصلہ کن پوزیشن پر نہ لے جائیں:

ایک اور غلطی جو عام طور پر جھگڑے کا سبب بنتی ہے کہ بیوی اپنے خاوند کو کبھی کبھی ایسی پوزیشن پہ لا کر کھڑا کر دیتی ہے کہ جہاں اسے ایک کو چھوڑنا پڑتا ہے اور دوسرے کو رکھنا پڑتا ہے۔ کبھی بھی اپنے خاوند کو ایسی پوزیشن پہ لا کر کھڑا مت کریں، کہ یا وہ آپ کو رکھے یا اپنی ماں کو رکھے، یا آپ کو رکھے یا اپنی بہن کو رکھے، کیوں اس پوزیشن پر آپ نے اس کو لا کھڑا کیا اب وہ جس طرف بھی قدم بڑھائے گا فساد ہی فساد ہے۔ تو ایسی صورتحال پر بات کو نہ لائیں۔

ہمیشہ خاوند کی ذمہ داریوں کا خیال کریں اگر وہ ایک ہی بیٹا ہے تو اپنی ماں کو کہاں بیچ نکالے گا؟ آپ کو اس کی ماں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے مجاہدہ کرنا ہے۔ ہاں جب آپ اور آپ کے میاں باہم مل جائیں گے تو پھر بوڑھی ساس آپ لوگوں کو پریشان نہیں کر سکے گی۔

غیر مرد سے تنہائی میں بات نہ کریں:

ایک اور چیز جو جھگڑے کا سبب بنتی ہے: وہ ہے کسی غیر مرد کے ساتھ تنہائی میں بات کرنا، یا فون پر بات کرنا۔ یہ عورت کی اتنی بڑی غلطی ہوتی ہے کہ اس کا نتیجہ ہمیشہ بربادی ہوتی ہے۔ یاد رکھیں! مرد عورت کی ہر کوتاہی کو برداشت کرسکتا ہے، اس کے کردار کی برائی کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ تو غیر مرد کے ساتھ گفتگو کرنے سے ایسے گھبرائیں جیسے بچہ کسی شیر کو دیکھ کر یا بلی کو دیکھ کر گھبرایا کرتا ہے۔ اس معاملے میں اپنے کردار کو بے داغ رکھیں ۔ جب مرد کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ میری بیوی پاکدامن ہے تو وہ پھر اس کی کڑوی کسیلی بھی آرام سے برداشت کر جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ کتنی خوبصورت لڑکیوں کو طلاقیں ہو جاتی ہیں، ان کا سبب یہی مصیبت بنتی ہے۔ کسی کا فون آرہا ہے، کسی کے میسج آرہے ہیں، کسی سے بات ہو رہی ہے۔ خاوند کو ذرا اس کا پتہ چلا تو بس یہ چیز میاں بیوی کے درمیاں فاصلے پیدا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلیں:

اس لئے خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی کام بھی نہ کیا کریں اور خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے بھی نہ نکلا کریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

''جو بیوی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلتی ہے جب تک لوٹ کر نہیں آتی اللہ کے فرشتے اس عورت کے اوپر لعنت برساتے رہتے ہیں''۔

اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے: ''عورت کا خاوند اگر کسی جائز بات پر ناراض ہوا اور عورت اس کی پرواہ نہیں کرتی، اس کا خیال ہی نہیں کرتی، جب تک مرد ناراض ہے، اللہ تعالیٰ اس عورت کی نمازوں کو بھی قبول نہیں فرماتے''۔ حدیث پاک میں غلام

کے بارے میں بھی یہی آیا ہے کہ ''اگر کوئی غلام اپنے گھر سے بھاگ جائے تو جب تک اپنے مالک کے پاس واپس نہ لوٹے اللہ اس کی نمازوں کو قبول نہیں فرماتے''۔ حقیقتِ حال کو سمجھ کر دینی زندگی گزاریں گی تو انشاء اللہ یہ جھگڑے ہی ختم ہو جائیں گے۔ یہ باتیں تو وہ تھیں کہ عام طور پر عورتوں سے جو کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، جن پر میاں اور بیوی کے درمیان جھگڑے ہوتے ہیں۔ بلا اجازت کام کرنا یا بغیر اجازت گھر سے جانا یہ بڑی غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے۔

ایک صحابیہ کی بے مثال فرمانبرداری:

اب ایک حدیث مبارکہ سن لیجئے! نبی ﷺ کے مبارک زمانے میں ایک میاں بیوی اوپر کی منزل پر رہتے تھے اور نیچے کی منزل پر بیوی کے ماں باپ رہتے تھے۔ خاوند کہیں سفر پر گیا اور اس نے بیوی کو کہہ دیا کہ تمہارے پاس ضرورت کی ہر چیز ہے، تم نے نیچے نہیں اترنا۔ چنانچہ یہ کہہ کر خاوند چلا گیا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ والد صاحب بیمار ہو گئے۔ وہ صحابیہ عورت سمجھتی تھی کہ خاوند کی اجازت کی شریعت میں کتنی اہمیت ہے۔ اب یہ نہیں کہ اس نے سنا والد بیمار ہیں تو وہ نیچے آ گئی، نہیں۔ اس نے اپنے خاوند کی بات کی قدر کی اور نبی ﷺ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ میرے خاوند نے مجھے گھر سے نکلتے ہوئے منع کر دیا تھا (اس سے رابطہ بھی ممکن نہیں تھا اس زمانے میں کوئی سیل فون بھی نہیں ہوتے تھے کہ دوبارہ پوچھ لیا جاتا) تو اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا اب مجھے نیچے جانا چاہیے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، آپ کے خاوند نے چونکہ آپ کو منع کر دیا تو آپ نیچے نہ آئیں۔ اب ذرا غور کیجئے، نبی ﷺ خود ہی یہ بات فرما رہے ہیں کہ آپ خاوند کی اجازت کے بغیر نیچے مت آئیں۔ چنانچہ وہ نیچے نہیں آئی۔ اللہ کی شان کہ اس کے والد کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی حتیٰ کہ والد کی وفات ہو گئی۔ جب والد کی وفات ہو گئی تو اس صحابیہ نے پھر پیغام بھجوایا، اے اللہ کے

نبی ﷺ! کیا میں اپنے باپ کا چہرہ آخری مرتبہ دیکھ سکتی ہوں، میرے والد دنیا سے چلے گئے، میرے لئے کتنا بڑا صدمہ ہے۔ نبی ﷺ نے پھر فرمایا: چونکہ تمہارے خاوند نے تمہیں روک دیا تھا اس لئے تم اوپر ہی رہو اور اپنے والد کا چہرہ دیکھنے کے لئے نیچے آنا ضروری نہیں۔ وہ صحابیہ اوپر ہی رہی۔ سوچیں اس کے دل پر کیا گزری ہوگی، کتنا صدمہ اس کے دل پہ ہوا ہوگا! اس کے والد کا جنازہ پڑھایا گیا، اس کو دفن کر دیا گیا۔ نبی ﷺ نے اس بیٹی کی طرف پیغام پہنچایا، کہ ''اللہ رب العزت نے تمہارا اپنے خاوند کا لحاظ کرنے کی وجہ سے تمہارے باپ کے سب گناہوں کو معاف فرما دیا''۔ تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے گھر میں جو کام بھی کریں خاوند سے اجازت لے لیں۔ ہاں خاوند کو بھی کیا پابندیاں لگانی چاہئیں اور کیا پابندیاں نہیں لگانی چاہئیں، خاوند کے موضوع کو کل چھیڑیں گے۔

خلاصہ کلام:

اب اعادہ سبق کے طور پر ہم اب تک کی گئی ساری باتوں کا نچوڑ پھر بیان کر دیتے ہیں، تاکہ بیوی کو اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح یاد ہو جائیں۔

عورت کو چاہئے کہ وہ گھر میں زندہ دل بن کر رہے۔ جب شوہر آئے تو خندہ پیشانی سے اسکا استقبال کرے، اس کا دل باغ باغ ہو جائے۔ کھانے کے وقت دستر خوان پر اپنے شوہر سے دلچسپ باتیں کرے۔ جب ذہن میں بے فکری ہوتی ہے تو دال میں بھی قورمہ کا مزہ آتا ہے، تو بیوی اپنی شیریں زبانی سے اپنے خاوند کے غم کو ختم کر دے۔ اس کے جتنے بھی کام ہوں ان کو اپنے ہاتھوں سے کرے اور اس کو اپنے لئے سعادت سمجھے۔ خاوند کی خوشی کو اپنی خوشی، خاوند کے غم کو اپنا غم سمجھے۔ خرچ اخراجات کے معاملے میں کفایت شعاری سے کام لے۔ برے وقت کے لئے ہمیشہ کچھ نہ کچھ رقم الگ رکھنے کی کوشش کرے۔ اگر کبھی خاوند کو کوئی ضرورت ہو اور وہ

مخدوش حالات میں ہو تو اس وقت وہ رقم اس کو پیش کر سکتی ہے اور اس کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا سکتی ہے۔ ویسے بھی اس جمع شدہ رقم میں سے کبھی خاوند کے کپڑے سی کر دے دیئے، سلوا کر دے دیئے، کبھی گھڑی تحفہ لے کر دے دی۔ حدیث پاک میں آیا ہے تھادوا تحابوا ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ یہ ہمیشہ خاوند کی ہی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ وہ ہدیہ دے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ خاوند کی اس جمع شدہ رقم میں سے کبھی بیوی بھی اسے کوئی Personal چیز لے کر دے دے تو خاوند کی خوشی میں اضافہ ہوگا۔ یہ اصول یاد رکھیں کہ پہلے خاوند کو کھلائیں پھر خود کھائیں، پہلے خاوند کو پلائیں پھر خود پئیں۔ جس کام میں خاوند کی دلچسپی نہ ہو اسے بالکل ہی چھوڑ دیں۔ ایسی کبھی بھی نوبت نہ آنے دیں کہ تم منہ ادھر کر لو ہم ادھر منہ کر لیں گے۔ محبت کے میدان میں بازی کو ہار کر ہی انسان جیتتا ہے۔ کبھی بھی شوہر کے ساتھ بداعتمادی اور بے اطمینانی کا اظہار نہ کریں۔ جو عورت اپنا دل بھی سنوارتی ہے، اپنا جسم بھی سنوارتی ہے وہ ہمیشہ اپنے خاوند کی پسندیدہ بنتی ہے۔ اس کے لئے چھلکتے ہوئے حسن کی ضرورت نہیں ہوتی سمجھداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرد کبھی بھی ضدی عورت کو پسند نہیں کرتا۔ جب بھی کوئی ایسی بات ہو تو ضد کو ختم کر کے ہمیشہ مرد کی بات کو مان لیا کریں۔ پاکدامنی وہ صفت ہے کہ جس کی وجہ سے عورت اپنے خاوند کے دل پر راج کرتی ہے۔ خاوند کے آرام کا خیال رکھیں اس کو اپنا دوست بنائیں اور دوسرے کی نظر میں اس کی عزت بڑھائیں۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ عورت اگر ان باتوں کا خیال رکھے تو گھر کا ماحول پرسکون رہتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان محبت بڑھتی رہتی ہے۔

آج چونکہ پہلے سے بتا دیا تھا کہ میاں بیوی دو انسان ہیں جنہوں نے مل کر زندگی گزارنی ہوتی ہے تو کبھی بیوی کی غلطی سے جھگڑا تو کبھی خاوند کی غلطی سے جھگڑا۔ آج قدرتاً ہم نے عورتوں سے متعلق باتیں بتائیں، امید ہے کہ عورتیں ان غلطیوں سے

اپنے آپ کو بچائیں گی اور خوشی کے ماحول میں زندگی گزاریں گی۔ اور امید ہے کہ کل کے بیان کو سننے کے لئے زیادہ تعداد میں آئیں گی کہ خاوند کی غلطیاں کون سی ہوتی ہیں اور ان غلطیوں سے کیسے خاوند کو منع کرنا چاہیے اللہ رب العزت تمام خواتین کو ازدواجی زندگی میں خوشیاں نصیب فرمائے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العلمین.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میاں بیوی کے جھگڑے

(شوہر کی ذمہ داریاں)

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

میاں بیوی کے جھگڑے
(شوہر کی ذمہ داریاں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ oوَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَo

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

آج کا موضوع:

ازدواجی جھگڑوں میں اب تک یہ عنوان رہا کہ بیوی کی کن غلطیوں کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان لڑائی ہوتی ہے، جھگڑے ہوتے ہیں۔ آج کی محفل میں ہم نے اس چیز کو بیان کرنا ہے کہ شوہروں سے کیا کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں کہ بات جھگڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ امید ہے کہ شوہر حضرات بطور خاص ان باتوں کو توجہ سے سنیں گے۔

بہترین شخص کون؟

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ "

تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اہلِ خانہ کے لئے بہتر ہے۔

چنانچہ مرد کی اچھائی کا معیار اس کا بزنس نہیں، اس کا دفتر نہیں، اس کے دوستوں کی محفل نہیں۔ مرد کی اچھائی کو پرکھنے کے لئے معیار اس کا اپنی بیوی سے تعلق ہے۔ اگر اس نے ان کو خوش رکھا، اور ان کے غم ختم کر دیئے، اور ان کو پر سکون زندگی دینے کی کوشش کی تو یقیناً یہ اچھا انسان ہے۔ نبی علیہ السلام اس کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

" اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ "

[میں تم سب میں سے اپنے اہل خانہ کے لئے زیادہ بہتر ہوں]

گویا Practical (عملی) مثال بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔

خاوند کے اندر تحمل اور برداشت ہونی چاہیے:

عورت کو اللہ رب العزت نے مرد کی پسلی میں سے بنایا۔ اس کا مطلب یہ کہ اللہ رب العزت نے نہ تو سر میں سے بنایا کہ اس کو سر پر بٹھا کے رکھو، نہ اس کو پاؤں سے بنایا کہ اسکو پاؤں کے نیچے رکھو۔ اللہ رب العزت نے اسے پسلی سے بنایا کہ یہ تمہارے دل کے قریب ہے تم اس کو ہمیشہ اپنے دل کے قریب رکھو۔ اس لئے خاوند کو متحمل مزاج ہونا چاہئے کیونکہ وہ گھر کا ذمہ دار ہے۔ ذرا سی بات پر غصے میں آجانا، ہر وقت غصے کی زبان بولنا، ہر وقت لہجہ بدل کر بیوی سے بات کہنا، یہ بیوقوف مردوں کا کام ہوتا ہے۔ یہ کوئی مردانگی نہیں ہوتی۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ جیسے کسی نے کہا: جی مجھے اپنے سے چھوٹوں پر بڑا غصہ آتا ہے۔ جی ہاں اگر آپ بڑوں کے ساتھ غصہ کر کے دکھائیں تو وہ آپ کی طبیعت بھی ٹھیک کر دیں گے۔ تو کمزوروں پہ غصہ آنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ ان کے ساتھ تو رحم دلی کا معاملہ ہونا چاہئے۔

گھر کے اندر سو چھوٹی موٹی باتیں ہو جاتی ہیں، ایسی باتوں کو نظر انداز کر جانا

چاہیے۔ ''کلیرنس ٹالرنس'' (clearance & tolerence) (لچک اور برداشت) کا اصول استعمال کرنا چاہیے۔ انجینئرنگ میں یہ اصول بنے ہوئے ہیں، دنیا میں جتنی بھی مشنری چل رہی ہے اس کی fiting فٹنگ میں ہمیشہ کلیرنس ٹالرنس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مثلاً شافٹ کا سائز اتنا ہو تو بیرنگ کا سائز اتنا ہوگا۔ دو چیزوں کو آپس میں فٹ کرنا ہے ان کے درمیان کتنی کلیرنس ہونی چاہیے۔ تو اگر مشینری نے فٹ ہونا ہے، اس میں کلیرنس اور ٹالرنس چاہئے تو دو انسانوں نے اپنی ازدواجی زندگی میں فٹ ہونا ہے تو ان کو بھی لچک اور برداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ درگزر سے کام لینا چاہئے۔ کوئی کسی موڈ میں ہے، کوئی کسی موڈ میں ہے تو چھوٹی چھوٹی باتوں کا بتنگڑ بنا لینا یہ کبھی بھی عقلمندی کی بات نہیں ہوتی۔ مرد کتنا برا لگتا ہے کہ چھوٹی سی بات سے ناراض ہو کر بیٹھ جائے۔ اس لئے کہنے والے نے کہا:

"To run a big show one should have a big heart"

(زیادہ بڑا شو دکھانے کے لئے دل بھی بڑا کرنا پڑتا ہے)

شادی کے بعد تو خاوند کو اپنا دل بہت بڑا کر لینا چاہئے۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ

"High winds blow on high mountains"

(اونچے پہاڑوں کے اوپر آندھیاں بھی زیادہ تیز چلا کرتی ہیں)

زندگی مین اونچ نیچ تو ہوتی ہے: کبھی ماں کی طرف سے شکوے، کبھی بہن کی طرف سے شکوے، کبھی بیوی کی طرف سے شکوے، اب یہ ذمہ داری ادمی کی بنتی ہے کہ ان اچھے طریقے نبھائے۔

بیوی کو ماں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیں:

کئی خاوندوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بیوی کو ماں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر خود ایک

طرف ہو جاتے ہیں، انتہائی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ ہمیشہ اپنی پوزیشن کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر محسوس کر رہے ہوں کہ بیوی کی غلطی ہے تو اس کو پیار سے سمجھاؤ، اگر سمجھ رہے ہوں کہ امی ضرورت سے زیادہ اس وقت اس پر سختی کر رہی ہیں تو بڑے ادب کے ساتھ امی کی خدمت میں گزارش کرو، اپنی بیوی کی وکالت کرتے ہوئے ذرا بھی نہ شرماؤ! اس لئے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہی بعد میں بڑی بنا کرتی ہیں۔ تو بیوی کی حفاظت (Protect) کرنا خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اب اس کو یوں کہنا کہ بھئی مجھے نہیں پتہ بس تم انہیں خوش کرو۔ تو بیوی کوشش تو کرے گی کہ میرے خاوند کی والدہ ہے میں خوش کروں، مگر ہم نے کئی مرتبہ دیکھا کہ ساس بڑی گھاگ اور تجربہ کار ہوتی ہے۔ اونچ نیچ جانتی ہے، وہ ایسے اپنی اننگز کھیلتی ہے کہ اس لڑکی کو ناک آؤٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ تو اس میں خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی پوزیشن کا خیال رکھے اور اگر دیکھتا ہے کہ امی ضرورت سے زیادہ سختی کر رہی ہے یا امی نے اس کو ٹف ٹائم دینا شروع کر دیا ہے، مشکل میں ڈال دیا ہے تو ان کی باتوں کو پھر خود بلاک کرے۔

بیوی کے لیے مکان کا بندوبست کرے:

جب مرد یہ دیکھے کہ مشترکہ طور رہنے سے بیوی کے حقوق کا تحفظ نہیں ہو رہا۔ تو پھر الگ مکان حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے کہ شریعت نے کہا ہے کہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنی بیوی کو الگ مکان یا کوئی کمرہ لے کر دے جس میں وہ کوئی سکھ کا سانس لے سکے۔ بیوی کو سر چھپانے کے لئے جگہ لے کر دینا شرعاً خاوند کی ذمہ داری ہے۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ خاوند کو ذرا بھی گنجائش دے تو اس کو اپنی زندگی میں سب سے پہلے مکان خریدنا چاہئے۔ بلکہ یہاں تک فرماتے تھے کہ

لا ایمان لمن لا مکان له [جس کا مکان نہیں اس کا ایمان ہی نہیں]

تو ایک دن اس عاجز نے عرض کیا کہ حضرت! یہ اتنی بڑی بات جو آپ فرماتے ہیں اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا، دیکھو! اگر کسی خاوند نے اپنا گھر نہیں خریدا اور اس کی بیوی کرائے کے مکان میں رہ رہی ہے۔ اللہ نہ کرے کہ خاوند کی وفات ہو جائے، کوئی ایکسیڈنٹ ہو جائے، تو کرائے والے تو اس عورت کو وہاں نہیں رہنے دیں گے، وہ کہاں سے کرایہ دے گی؟ تو جب وہ اس کا سامان اس کے گھر سے نکالیں گے تو یہ عورت پریشانی کے عالم میں کفریہ بول بولے گی۔ اس کا ایمان ہی خطرے میں ہو جائے گا۔ تو اس لئے فرماتے تھے کہ خاوند کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو سب سے پہلے سر چھپانے کی کوئی جگہ دے تا کہ اس میں وہ اپنی زندگی گزار سکے۔

بیوی کا دل جیتنے کی کوشش کریں:

یاد رکھیں! جتنا محبت و پیار سے میاں بیوی رہتے ہیں اتنا ہی اللہ رب العزت ان سے خوش ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا:

House is built by hands but home is built by hearts.

(اینٹیں جڑتی ہیں تو مکان بن جاتے ہیں، جب دل جڑتے ہیں تو گھر آباد ہو جاتے ہیں)

لہٰذا بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی سے رہنا، خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور خوش اخلاقی اس کو نہیں کہتے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر انسان ڈانٹ ڈپٹ کرتا پھرے، غصے ہوتا پھرے، تیوریاں چڑھاتا پھرے، بولنا چھوڑ دے، یہ چیزیں میاں بیوی کے درمیان ہونا انتہائی برا ہوتا ہے۔ یاد رکھیں! جو خاوند پیار کے ذریعے اپنی بیوی کا دل نہ جیت سکا وہ تلوار کے ذریعے بھی بیوی کا دل نہیں جیت سکتا۔ یہ سمجھنا کہ میں ڈانٹ ڈپٹ سے سب سیدھا کر دوں گا، یہ ہرگز ٹھیک نہیں ہوتا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ڈانٹ

ڈپٹ سے الٹا کام بگڑتا ہے۔ بیوی سہم جائے گی، چپ ہو جائے گی، لیکن جب بیوی بھی اپنے خاوند کے خلاف گوریلا جنگ لڑنا شروع کر دے گی تو کیا فائدہ؟ اس لئے محبت و پیار ہی ازدواجی زندگی کے لئے بہترین عمل ہے۔ خاوند کو یہ بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ پیار کا وار تلوار سے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ وہ پیار سے اگر اپنی بیوی کو قائل نہیں کر سکا تو پھر وہ تلوار سے بھی بیوی کو قائل نہیں کر سکے گا۔

مسکرانے کی سنت کو اپنائیں:

چنانچہ نبی ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی گھر کوئی چیز لاتے تھے، مسکراتے ہوئے آتے تھے اور اپنے اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے۔ مسکراتے ہوئے آنا اور گھر والوں کو سلام کرنا، یہ اچھے ماحول کی ابتداء ہے۔ جب خاوند مسکراتا ہوا آئے گا تا یقیناً بیوی بھی مسکرائے گی، اب دونوں محبت و پیار سے رہیں گے۔

مسکراہٹ نے مسکراہٹیں پھیلا دیں:

ایک مرتبہ میرے پاس ایک میاں بیوی کا معاملہ آیا۔ شادی کو تین سال ہو چکے تھے، دونوں لکھے پڑھے اچھی فیملی کے بچے تھے، دونوں بیعت تھے اور دونوں نیک بھی تھے۔ وہ کہنے لگے کہ جی ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں نہیں ہوسکتا؟ کہنے لگے اس لئے کہ بس ہماری طبیعتیں نہیں ملتیں۔ ہم آپس میں ہر وقت بحث کرتے رہتے ہیں۔ کوئی دن زندگی کا ایسا نہیں کہ ہماری آپس میں بحث نہ ہوئی ہو۔ ہم تنگ آ چکے ہیں اور ہم نے بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا ہے کہ ابھی تو عمریں دونوں کی ایسی ہیں کہ کوئی نہ کوئی دوسری صورت بھی بن جائے گی تو کیوں ہم اپنی زندگیاں برباد کریں؟ ہم اپنے ماں باپ کو بتانا چاہتے تھے اس سے پہلے ہم نے آپ کو بتانا مناسب سمجھا، چونکہ آپ ہماری تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ میں نے ان سے

چند منٹ بات کی اور figure out کیا (کریدا) کہ مسئلہ کیا ہے؟

دراصل ان دنوں ان کے کام اور کاروبار کی پوزیشن اچھی نہیں تھی۔ خاوند کے ایک دو معاملات پھنس گئے تھے، کچھ ادائگیاں رک گئی تھیں اور وہ بہت ٹینشن میں تھا۔اس لئے جب دفتر سے گھر آتا تھا تو بہت سنجید ہوتا تھا۔ بیوی کھانا پکا کے گھنٹے دو گھنٹے سے بھوکی بیٹھی ہے کہ خاوند آئے گا، میں مل کے کھانا کھاؤں گی۔ جب وہ خاوند کا چہرہ دیکھتی کہ اتنا سیریس! تو نتیجہ یہ نکالتی کہ شاید میں اپنے خاوند کو پسند ہی نہیں ہوں اور جب وہ یہ سوچتی کہ میں اپنے میاں کو پسند ہی نہیں تو اسے غصہ آتا۔ چونکہ وہ خوبصورت بھی تھی، نیک بھی تھی، تعلیم یافتہ بھی تھی، اچھے گھرانے کی تھی اور اس کی فرسٹ کزن بھی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ میرے اندر کیا کمی ہے کہ یہ خاوند میری طرف پیار سے نہیں دیکھتا؟ چنانچہ بیوی پیچھے ہٹ جاتی، خاوند ویسے سیریس ہوتا اور دونوں کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ پھر خوب بحث مباحثہ ہونے لگتا۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھیں! آپ لوگ اپنا یہ فیصلہ چھ مہینے کے لئے روک لیں اور میں آپ لوگوں کو ایک ایک کام ذمہ لگاتا ہوں، آپ نے وہ کام کرنے ہیں۔ پھر چھ مہینے کے بعد آپ سوچنا کہ ہم آپس میں اکٹھے رہ سکتے ہیں یا نہیں رہ سکتے۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ میں نے خاوند کو کہا: جب آپ نے گھر آنا ہے تو نبی علیہ السلام کی سنت پر بھی عمل کرنا ہے کہ مسکراتے چہرے کے ساتھ آؤ اور اپنے اہلِ خانہ کو سلام کرو! تم نے اس سنت کو چھوڑا تو اس کی بے برکتی سے تمہارے گھر سے خوشیاں روٹھ گئیں۔ جب آپ آیا کرو تو بزنس کی پریشانیاں دفتر میں چھوڑ کر آیا کرو۔ بیوی کا قصور نہیں ہے کہ تمہارا بزنس نہیں چل رہا۔ جب آؤ تو (وہ بیچاری گھنٹے دو گھنٹے سے انتظار میں ہے) چہرے کے اوپر خوشی ہو، کھلا ہوا چہرہ ہو۔ انسان کے محبت سے اعصاب چھلک رہے ہوں تو۔ ویسے تو بڑی سنتوں کا خیال کرتے ہو تو اس سنت کا

خیال کیوں نہیں کرتے ؟ جب اس نوجوان کو یہ بات سمجھائی تو وہ کہنے لگا: جی میں اس سنت پر ضرور عمل کروں گا۔ پھر میں نے بیوی کو کہا: اب آپ نے بھی ایک عمل کرنا ہے کہ جب خاوند آئے تو آپ نے ہمیشہ دروازے پر خاوند کا استقبال کرنا ہے اور خاوند کو مسکرا کر دیکھنا ہے، اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بات تو تھی جو میں نے آپ کو سنت کے مطابق بتائی۔ اب اس صورتحال میں (جب آپ لوگوں کی طبیعتیں اتنی ایک دوسرے سے دور ہو چکی ہیں)۔ خاوند کو ایک عمل اور بتاتا ہوں اور اسے گنتی سمجھ کے کرنا پڑے گا۔ میں نے کہا: آپ جب بھی گھر آئیں تو میاں بیوی ہی تو گھر میں رہتے ہیں اور تو کوئی نہیں تو مسکراتے چہرے کے ساتھ آئیں گے اور جب گھر میں آئیں گے تو آپ اپنی بیوی کو مسکرا کے دیکھ کر اس کا بوسہ لیں گے۔ اب یہ لفظ سن کر خاوند بڑا حیران ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں کہا: تمہاری اپنی ہی بیوی ہے، حیران کیوں ہو رہے ہو؟ اب وہ حیران کہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ تمہیں نفلوں کا اتنا ثواب نہیں ملنا جتنا اس بوسے پر ملنا ہے۔ خیر جب میں نے اسے زور دے کر یہ بات کی تو اس نے دل کے ساتھ کہہ دیا کہ بہت اچھا۔ میں نے اس کو خوب ٹائٹ کیا کہ اگر تم نے یہ عمل نہ کیا تو اس کا مطلب تم نے اس گھر کو آباد کرنے کے لئے کوشش ہی نہیں کی اور ذمہ دار آپ ہوں گے۔ وہ کہنے لگا: نہیں جی میں انشاء اللہ اس پر عمل کروں گا۔

تین مہینے کے بعد دونوں نے ہنستے مسکراتے فون کیا۔ کہنے لگے: ہمیں تو یوں لگا ہے کہ ہم نے یہ تین مہینے ہنی مون کی طرح گزارے ہیں۔ اس لئے کہ جب خاوند گھر مسکراتا ہوا آتا تھا اور بیوی کو Kiss کرتا (بوسہ لیتا) تھا اور بیوی بھی مسکراتی تھی تو پھر سارے گھر میں مسکراہٹیں ہی آجاتی تھی Arguments (بحث و تکرار) ختم ہی ہو جاتے تھے۔ تو کئی دفعہ ایک چھوٹا سا عمل اجڑتے ہوئے گھر کے آباد کرنے کا سبب

بن جاتا ہے۔

شوہر کی نرمی سے بیوی کی اصلاح:

میرے پاس لاہور کا ایک نوجوان آیا۔ انتہائی نیک، تہجد گزار، متقی، پرہیز گار اس کو بیعت ہوئے ایک سال ہوا تھا مگر اللہ نے اس کی طبیعت میں نیکی رکھ دی اور وہ خوب تقوی کی زندگی گزار رہا تھا۔ آیا تو بڑے غصہ میں تھا۔ پوچھا خیر تو ہے؟ کہنے لگا: بس کیا کروں بیوی ایسی ہے کہ دین کی طرف آنے کو بالکل تیار ہی نہیں۔ نہ ٹی وی چھوڑتی ہے، نہ یہ چھوڑتی ہے، نہ وہ چھوڑتی ہے، پردے کا خیال نہیں کرتی، سلام نہیں کرتی، الٹا میں دین کی بات کروں تو آگے سے الٹی بات کر دیتی ہے۔ میں تنگ آ چکا ہوں، بس حضرت آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اصل میں اب وہ مجھ سے اجازت لینا چاہتا تھا کہ یا تو میں بیوی کی پٹائی کروں یا پھر بیوی کو میکے بھیج دوں۔ میں نے اس سے بات کی اور اس سے کہا: اچھا بتاؤ تمہاری شادی کیسے ہوئی؟ پتہ چلا کہ یہ صاحب بھی ایک سال پہلے ویسے ہی تھے۔ اور دونوں کی آپس میں ''لو میرج'' تھی اور دونوں کا ایک سال تک افیئر (معاشقہ) چلتا رہا۔ پسند کی شادی تھی، تو میں نے اسے سمجھایا کہ دیکھو! دونوں کا بیک گراؤنڈ (پس منظر) ایک ہی جیسا تھا۔ فرق یہ کہ آپ کو نیک محفل ملی تو آپ یک دم بدل گئے۔ بیوی کو نہ یہ بیانات ملے، نہ یہ صحبتیں ملیں، نہ یہ خیر کی بات سننے کا موقع ملا، تو بیوی کیسے اتنا جلدی بدل جائے گی! وہ تو ٹائم لے گی تو کیوں اتنا پریشان ہوتے ہو؟ کہنے لگا: بس میں کیا کروں بہت ہی بے دین ہے، وہ بہت ہی زیادہ فاسقہ ہے۔ وہ بار بار یہی بات کہے۔ میں نے کہا: اچھا میں آپ کے ذمہ ایک کام لگاتا ہوں۔ جی بتائیں! تو میں نے کہا: اچھا یہ بتائیں کہ کبھی کھانا کھاتے ہوئے آپ نے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالا؟ کہنے لگا، نہیں۔ میں نے کہا: کیوں! کیا یہ سنت نہیں ہے؟ کہنے لگا: اچھا سنت ہے؟ میں نے کہا: ہاں بالکل جاؤ

اور کھانا کھاتے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ اگر دستر خوان پر پڑا ہو تو اس میں سے ایک گلاب جامن اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دینا۔ اب اس کی سانس جیسے رکی ہوئی ہے اور میری طرف دیکھ رہا ہے، کیوں کہ اس کی طبیعت میں تو سختی تھی، وہ تو پٹائی کے موڈ میں آیا تھا اور آگے سے اس کو کوئی اور نسخہ مل گیا۔ وہ بار بار میری طرف دیکھے۔ حضرت اس کے منہ میں ڈالوں تو پھر کیا کرنا ہے؟...... جاؤ جا کر اس پر عمل کرو! جی حضرت۔ پھر میں نے اس کی خوب اچھی طرح خبر لی اور اس کو سمجھایا کہ دیندار لوگوں کی بے جا طبیعت کی سختی اپنی بیویوں کو بے دین بنانے کا بڑا سبب ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کہاں کے اخلاق ہیں! جو تم سمجھتے ہو۔ بڑے تم اقامت دین کی کوششیں کرتے پھرتے ہو، جاؤ! پیار سے رہو، اور کل مجھے آ کر بتانا کہ منہ میں لقمہ ڈالا۔ کہنے لگا: ٹھیک ہے۔

اگلے دن آیا، اب چہرے پر تھوڑی سی مسکراہٹ تھی۔ پوچھا کہ کیا ہوا کہنے لگا کہ حضرت! دستر خوان لگا، پہلے تو میں کھانا ہی الگ کھا لیتا تھا، میں پاس بیٹھا، کھانا کھانے لگا۔ کھانے کے دوران میں نے گلاب جامن اٹھایا اور بیوی کے منہ کی طرف جو کیا تو بیوی حیران۔ میں نے اس سے کہا کہ میں آپ کے منہ میں گلاب جامن رکھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگا خیر اس نے لے لیا، لیکن یکدم اس کی حالت بدل گئی۔ وہ مجھے کہنے لگی: یہ تم نے کہاں سے سیکھا؟ تو میں نے کہا کہ مجھے آج پتہ چلا کہ یہ سنت ہے وہ کہنے لگی: اچھا! سنت اتنی اچھی ہوتی ہے؟ چنانچہ اس نے دین کی باتیں خود پوچھنی شروع کر دیں اور دستر خوان سے اٹھ کر اس نے اس وقت کی جو نماز تھی، اس کو خود پڑھا۔ جب خاوند کی اتنی سی محبت دینے پر وہ بچی دین کے قریب آ گئی اور چند مہینوں میں وہ شرعی پردہ کرنے والی، تہجد گزار لڑکی بن گئی، تو خاوند اگر محبت پیار سے رہے تو بیوی کیوں نہیں اس کی وجہ سے اپنی زندگی کو بدلے گی؟ عموماً درمیان میں کوئی نہ کوئی

مسئلہ ہوتا ہے جو رکاوٹ بنا ہوتا ہے۔

دلوں کی ایلفی ......شریعت:

یہ بھی اکثر دیکھا ہے کہ نیک اور دیندار لوگوں کے گھروں میں آپس میں محبت و پیار ہوتا ہے۔ یہ دین دلوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْ وَ عَمِلُو الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾

''کہ جو لوگ ایمان لا کر نیک اعمال کریں اللہ ان کے دلوں میں محبتیں بھر دیں گے۔''

اس لئے میں نوجوان بچوں کو سمجھاتا ہوں کہ اگر تم پُرسکون زندگی گزارنا چاہتے ہو تو گھروں میں دین کا ماحول پیدا کرلو۔ دینی ماحول کی وجہ سے دلوں میں محبتیں پیدا ہو جائیں گی۔ کئی نوجوان آئے، کہنے لگے: جی کیا کریں؟ ہم میاں بیوی کی بنتی نہیں ہے۔ کیوں؟ بس جی ہمارے دل ایک دوسرے سے بہت کھٹے ہو گئے۔ میں نے کہا: کہ تم دلوں کی ایلفی استعمال کرو۔ اب وہ مجھے حیران ہو کر دیکھنے لگے کہ کونسی ایلفی استعمال کریں؟ میں نے کہا کہ ہاں! ایلفی چیزوں کو آپس میں جوڑ دیتی ہے۔ اسی طرح ایک ایلفی دلوں کو بھی جوڑ دیتی ہے اور وہ ایلفی'' شریعت'' ہے۔ تم جاؤ دین والی زندگی گزارنی شروع کرو! اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے دلوں کو اسی طرح جوڑ دیں گے جیسے ایلفی دو چیزوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی ہے۔ اور واقعی جو محبتیں، جو پیار دیندار جوڑے آپس میں کرتے ہیں، فسق و فجور میں زندگی گزارنے والوں کو اس پتہ ہی نہیں ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض دیندار نوجوانوں میں طبیعت کی سختی آجاتی ہے۔ یہ خشک ملا توبہ توبہ! ایسا عجیب حال ہوتا ہے کہ بس ہر وقت رعب چلا رہے ہوتے ہیں۔ ان کو لہجہ بدل کر بات کرنے کی عادت ہو جاتی ہے، یہ نارمل موڈ میں بات ہی نہیں کرتے اور بات بات پر آیت پڑھتے ہیں:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾

بھئی! اللہ رب العزت نے مرد کو گھر میں بڑا بنایا مقام دیا، مگر اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ بس تم اب ڈنڈا ہی چلانا سیکھو۔ تم اپنی پوزیشن کا خیال رکھو اور یہ دیکھو کہ نبی ﷺ نے کیا فرمایا نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

خیر کم خیر کم لاھلہ

[تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لئے بہتر ہے]

ایک خاتون کا انوکھا انداز شکایت:

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ ایک خاتون آئی اور آکر کہنے لگی: امیر المومنین! میرا خاوند بہت نیک ہے، ساری رات تہجد پڑھتا رہتا ہے، اور سارا دن روزہ رکھتا ہے، اور یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔ عمر رضی اللہ عنہ بڑے حیران کہ خاتون کیا کہنے آئی ہے؟ اس نے پھر یہی بات دہرائی کہ میرا خاوند بہت نیک ہے ساری رات تہجد میں گزار دیتا ہے اور سارا دن روزہ رکھتا ہے۔ اس پر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بولے: اے امیر المومنین! اس نے اپنے خاوند کی بڑے اچھے انداز میں شکایت کی ہے۔ کیسے شکایت کی؟ امیر المومنین! جب وہ ساری رات تہجد پڑھتا رہے گا اور سارا دن روزہ رکھے گا تو پھر بیوی کو وقت کب دے گا؟ تو یہ کہنے آئی ہے کہ میرا خاوند نیک تو ہے مگر مجھے وقت نہیں دیتا۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند کو بلایا تو اس نے کہا: ہاں میں مجاہدہ کرتا ہوں، یہ کرتا ہوں، وہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان کا فیصلہ کریں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ان صاحب سے کہا کہ دیکھو! شرعاً تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزارو، ہنسی خوشی اس کے ساتھ رہو، اور کم از کم ہر تین دن کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرو۔ خیر وہ میاں بیوی تو چلے

گئے۔تو عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے یہ شرط کیوں لگائی کہ ہر تین دن کے بعد بیوی سے ملاپ کرو؟ انہوں نے کہا: دیکھیں! اللہ رب العزت نے مرد کو زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی اجازت دی۔ چنانچہ اگر چار شادیاں بھی کسی کی ہوں تو تین دن کے بعد پھر بیوی کا دن آتا ہے۔تو میں نے اسے کہا کہ تم زیادہ سے زیادہ تین دن عبادت کر سکتے ہو تین دن کے بعد ایک دن رات تمہاری بیوی کا حق ہے، تمہیں گزارنا پڑے گا۔تو دیکھو شریعت انسان کو کیا خوبصورت باتیں بتاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات سے رویہ:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہت محبت پیار سے رہتے تھے۔ان سے ان کی دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔آپ سوچیے کہ نبی علیہ السلام کے دل میں جہنم کا کیا نظارہ ہو گا، جسے آنکھوں سے دیکھا۔اللہ رب العزت کے خوف اور خشیت کا کیا عالم ہو گا! نبی علیہ السلام نے فرمایا: لوگو! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔وہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے جہنم کو آنکھوں سے دیکھا، جو اللہ کی عظمت سے واقف تھے، ان کے دل پر کس قدر اللہ کی عظمت کا معاملہ رہتا ہو گا! لیکن وہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی بیوی کے پاس تشریف لاتے تھے تو ان سے دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔احادیث میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نبی، ازواج مطہرات سے دل لگی اور ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔

☆......ایک میدان جنگ سے واپسی کا وقت تھا۔اس وقت عورتیں اپنی ضرورت سے فارغ ہونے کیلئے اپنے خاوندوں کے ساتھ باہر نکل جاتی تھیں۔ٹوائلٹ تو بنے نہیں ہوتے تھے۔نبی علیہ السلام اپنے اہل خانہ کے ساتھ گئے۔رات کا وقت تھا، کھلا میدان تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اہلیہ کو فرماتے ہیں: حمیرا! آؤ دوڑ لگائیں۔اب دیکھیں! کتنی عجیب بات لگتی ہے۔چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اہلیہ کے ساتھ دوڑنے لگے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو

جیتنے دیا۔ جب وہ جیت گئیں تو بہت خوش ہوگئیں۔ نبی علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ اندازہ لگائیے کہ بیوی کو خوش کرنے کے لئے اگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دوڑ میں تھوڑی دیر کے لئے پیچھے رہ سکتے ہیں تو کیا عام خاوند اپنی بیوی کے لئے خاموش نہیں ہوسکتا؟ کچھ عرصے کے بعد دوبارہ پھر اسی قسم کی صورت حال ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: عائشہ! دوڑیں۔ پھر جب دوڑ لگائی تو اب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے، اور مسکرا کے فرمایا: حمیرا! "تلك وتلك" پہلے تم جیت گئی تھی اب میں جیت گیا۔ میں نے تمہارا حساب برابر کر دیا۔ تو دیکھو! بیوی کی دل لگی کے لئے ایسی باتیں ہیں۔

☆......ایک مرتبہ عید کا دن تھا، باہر کچھ حبشی نوجوان کھیل رہے تھے، دوڑ رہے تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا: کہ عائشہ! کیا آپ یہ کھیل دیکھنا چاہو گی؟ فرمایا: جی دیکھنا چاہوں گی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کھڑے ہو گئے کہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کو اپنی اوٹ میں لے لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تھوڑی رکھی اور اس طرح وہ کھیل دیکھنے لگیں۔ نبی علیہ السلام کچھ دیر بعد پوچھتے کہ تم دیکھ رہی ہو بس کریں! فرمایا: نہیں ابھی اور دیکھنا چاہتی ہوں۔ دو تین مرتبہ ایسا ہوا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں یہ کھیل بہت اچھا لگا۔ اب دیکھئے! کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پردے کی آیات نازل ہونے سے پہلے) یہ کھیل خود اپنی بیوی کو دکھا رہے ہیں۔

☆......چنانچہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو عورتوں کی کہانی سنائی: کہ کنویں پر پانی بھرنے کے لئے نو عورتیں اکٹھی ہوئیں۔ ایک نے کہا کہ تم بالکل آج کھری کھری بات سنا دو! تو ایک نے کہا: میرا خاوند ایسا ہے، ایسا ہے۔ دوسری نے کہا: میرا خاوند ایسا...... تیسری نے کہا ایسا...... اب دیکھو! اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیوی کو ان عورتوں کی کہانی سنا رہے ہیں اور فرمایا کہ ان میں سے ایک

عورت ''ام زرع'' تھی۔ اس نے ابوزرع، کے بارے میں کہا کہ وہ مجھے اتنا محبت سے رکھتا ہے، وہ مجھے اتنا کھلاتا ہے، اس نے مجھے سونے سے لاد دیا، اس نے مجھے اتنی محبت دی۔ یہ باتیں سنا کر نبی ﷺ نے فرمایا، عائشہ! ابوزرع، ام زرع سے جتنی محبت کرتا تھا میں اس سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں۔ اب بتائیں کہ خاوند اگر ایسی بات بیوی سے کرے گا تو اس کی زندگی میں تو خوشیاں آجائیں گی۔ اس کو تو اپنا گھر بستا نظر آجائے گا۔

☆...... نبی ﷺ کی سواری ایک دفعہ جارہی تھی۔ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) دوسرے اونٹ پر سوار تھیں۔ (اللہ کی شان) وہ اونٹ بھاگ گیا۔ تو نبی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ اونٹ بھاگ رہا ہے تو فرمایا: وا عروساهُ (ہائے میری دلہن)۔ اب اندازہ لگایئے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا وہ شادی کا دن نہیں تھا، سالوں گزر گئے تھے شادی کو، اس وقت جب عائشہ صدیقہؓ کا اونٹ بھاگا تیزی کے ساتھ تو نبی علیہ السلام فرماتے ہیں وا عروساه ہائے میری دلہن۔ تو جب خاوند اس طرح بیوی کے ساتھ پیار کرے تو بیوی کیوں نہیں گھر کو آباد کرے گی۔

☆...... ''انجشہ رضی اللہ عنہ صحابی'' ہیں وہ خواتین کے اونٹوں کی مہار پکڑ کے چل رہے تھے۔ تو انہوں نے ذرا تیز چلنا شروع کر دیا۔ ان کے پیچھے اونٹوں نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اونٹ تیزی سے بھاگ رہے ہیں تو انجشہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اونٹوں کو آہستہ چلاؤ! اس کے اوپر ہمارے آبگینے سوار ہیں۔ کہ جیسے شیشے کی بنی ہوئی چیز کو ذرا نازک ہونے کی وجہ سے پیار سے ہینڈل کرنا چاہئے تو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے یہ لفظ استعمال کیا۔ آپ سوچئے! جو اللہ کے پیارے محبوب ﷺ اونٹ کو تیز چلا کر بھی ان کو تکلیف نہیں دینا چاہتے وہ اپنی بیویوں کو کتنا خوش رکھتے ہوں گے!

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی ان کے بارے میں فرمایا کرتی تھیں کہ انہوں نے پوری زندگی کبھی مجھ سے لہجہ بدل کر ہی بات نہیں کی ۔کیا حسن معاشرت ہے! کیا حسن اخلاق ہے! فرماتی ہیں ناراض ہونا ، غصے ہونا تو بڑی دور کی بات ہے۔انہوں نے کبھی میرے ساتھ لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔ ہمیشہ محبت پیار کے لہجے میں بات کرتے تھے۔

شادی کے پہلے اور بعد نوجوانوں کی سوچ میں فرق:

یہ نوجوان جب کنوارے ہوتے ہیں اس وقت ان کی سب سے بڑی تمنا ہوتی ہے کہ شادی ہوجائے ، بیوی مل جائے۔ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں کہتے ہیں جی۔

"No life without wife." (بیوی کے بغیر کوئی زندگی نہیں)

اس وقت ان کو بیوی کا اتنا انتظار ہوتا ہے۔ ہر وقت وہی سوچیں ، ہر وقت وہی باتیں ، وہی نوجوانوں کا ہنسی مذاق ۔اس وقت سمجھتے ہیں پتہ نہیں یہ کیا نعمت ہے! اللہ مجھے جلدی دے دے۔ چنانچہ ایک نوجوان کہنے لگا کہ مجھے موت سے محبت ہی اسی لئے ہے کہ وہ آتی ہے، آتا نہیں ہے۔تو جب کنوارے تھے تو پھر اتنا شوق کہ ہائے اللہ مجھے یہ نعمت دے دے ۔اور جب وہ بیوی گھر میں آجاتی ہے تو اب ان کو سختیاں یاد آجاتی ہیں۔اس وقت بھی محبت پیار سے رہیں۔

بعض شوہر دل جلاتے ہیں:

اور آج کل کے خاوند تو دل جلاتے ہیں، شادی ہوئی اور بس ۔کئی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو خود فسق و فجور میں پڑ جاتے ہیں، غیر عورتوں کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔میاں بیوی کے جھگڑوں کی پنچہتر فی صد جو وجوہات ہیں ان میں سے ایک وجہ

کہ شادی کے بعد نوجوان مرد غیر لڑکیوں کے ساتھ Envolve (منسلک) ہو جاتے ہیں ۔اور اپنی بیوی کو Ignore (نظر انداز) کر دیتے ہیں ۔گھر وقت نہیں دیتے ،گھر آتے ہیں تو ان کو نیند آئی ہوئی ہوتی ہے ۔ بیوی سے بات کرنے کی فرصت نہیں ہوتی ، وہ بات بھی کرتی ہے تو دو لفظوں میں جواب دے دیتے ہیں ۔کہیں بیٹھے ہوتے ہیں ، بیوی فون کرتی ہے...... اچھا تم مجھے کام نہیں کرنے دے رہی اور کام کیا ہوتے ہیں بیٹھے میسج کر رہے ہوتے ہیں ۔ یہ کس قدر ظلم ہے ! جس کو یہ نکاح کے بعد اپنے گھر لائے ۔جن محبتوں کی وہ حقدار تھی اب انہوں نے وہ محبتیں غیر لڑکی کے لئے استعمال کرنی شروع کر دیں ۔ جب جی بھرا ہوا ہو تو کسی کے سامنے بریانی بھی رکھ دو تو اس کا جی نہیں چاہتا بریانی کو ہاتھ لگانے کو ۔ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ باہر فون کر کے ، باتیں کر کے I miss you (میں تمہارے بغیر رہ نہیں سکوں گا) کہہ کر اپنی محبتوں کے جذبے پورے کر کے آتے ہیں ۔گھر آتے ہیں تو بیوی بریانی کی طرح بھی ہو تو بھی ان کا دیکھنے کو دل نہیں کرتا ۔ یہ ان جھگڑوں کی بنیادی وجہ ہے نوجوان لڑکوں کو چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو دیکھیں ۔گھر میں آکر ان کا دل نہ دکھائیں بلکہ درگزر سے کام لیں ۔

بیوی کی ناز برداری بھی ہونی چاہیے:

شریعت نے کہا ہے کہ بیوی کا چونکہ خاوند کے ساتھ پیار کا تعلق ہے ، محبت کا تعلق ہے ۔اب اس محبت میں کئی مرتبہ بیوی میں ناز بھی آجاتا ہے تو اعتدال کے ساتھ بیوی کے ناز کو بھی برداشت کر لینا چاہئے اور اس پر صبر کرنا چاہئے ۔ چنانچہ اللہ کے پیارے محبوب نبی ﷺ اور عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے درمیان کوئی بات ہو گئی ۔ابھی یہ بات چل رہی تھی کہ ادھر سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے ۔ نبی ﷺ نے فرمایا ! ابو بکر ! تم اچھے وقت پر آئے ، آؤ ! ہم تمہیں کہتے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک

بات کا فیصلہ کرو۔ تو صدیق اکبر ؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے جی۔ تو فرمایا کہ کون بات کرے گا؟ تو نبی ؑ نے فرمایا کہ میں بات کرتا ہوں، میں بتاتا ہوں کہ کیا ہوا۔ تو عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) ذرا غصہ میں تھیں، کہنے لگیں کہ ہاں ٹھیک ہے، آپ ہی بات کریں مگر ٹھیک ٹھیک بات کریں۔ اب جب ابو بکر ؓ نے یہ سنا کہ بات آپ فرمائیں لیکن ٹھیک ٹھیک بات کریں۔ تو انہوں نے عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کو ایک زور کا تھپڑ لگایا۔ کہنے لگے: تجھے تیری ماں روئے، کیا اللہ کے پیارے حبیب ﷺ ٹھیک بات نہیں کریں گے؟ اب جب تھپڑ لگا، تو بیٹی تھیں، جلدی سے نبی ﷺ کے پیچھے چھپ گئیں کہ دوسرا نہ پڑ جائے، تو نبی ؑ نے فرمایا: ابوبکر! ہم نے تو آپ کو فیصلہ کے لئے بلایا تھا، یہ تو نہیں کہا تھا کہ مارنا ہی شروع کر دیں۔ آپ جائیں! ہم اپنا معاملہ خود سمیٹ لیں گے چنانچہ صدیق اکبر ؓ وہاں سے چلے گئے۔ جیسے ہی وہ گئے عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) آپ کے پیچھے سے دوسری طرف آئیں۔ نبی ﷺ نے مسکرا کر دیکھا اور فرمایا: دیکھا! دوسرے تھپڑ سے میں نے ہی تمہیں بچایا ہے نا۔ اب اتنی سی بات پر پھر محبت پیار کی زندگی۔ تو معلوم ہوا کہ بیویوں کے ساتھ تحمل مزاجی کے ساتھ رہنا چاہیے اور اعتدال کے ساتھ ان کے ناز اور نخرے کو بھی برداشت کر لینا چاہیے۔

ساس کے سوچنے کا عجیب انداز:

اب ساس کو یہ چیز بری لگتی ہے، مگر وہ اپنی زندگی پر نظر دوڑائے نا کہ جب وہ بہو تھی تو وہ کتنے ناز کیا کرتی تھی! اب چونکہ بوڑھی ہو گئی اسلیے اس کو یہ چیزیں اچھی نہیں لگتی۔ پھر وہ بیٹے کو سمجھاتی رہتی ہے کہ کیا تمہاری بیوی بنی رہتی ہے! کیا تم بیوی کے ساتھ بیٹھے رہتے ہو! اصل میں وہ نہیں بول رہی ہوتی، بیچاری کا بڑھاپا بول رہا ہوتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ساس بھی بیچاری بے قصور ہی ہوتی ہے وہ خود نہیں بول

رہی ہوتی، اس کا بڑھاپا بول رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ اس عمر میں ہوتی جس عمر میں اب یہ بچے اور بچیاں ہیں تو اس کی سوچ کی فریکونسی بھی مختلف ہوتی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی ازواج سے رویہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کرنی پڑی۔ تو بیویوں کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں معاملہ چلتا ہی ہے، کبھی یہ ناراض اور کبھی وہ ناراض۔ فرماتے ہیں! کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ میں ایک گھر جاتا تو دروازے کو کنڈی لگی ہوئی ہوتی، وہ کھولتی ہی نہیں تھی۔ تو میں وہیں دروازے پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھ لیتا اور واپس آجاتا تھا۔ یہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ہیں! جن کو اللہ نے علم کا سمندر بنایا تھا۔

فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میری بڑی گھر والی کہیں جانے لگیں اور مجھے کہہ گئیں کہ گھر میں مرغیاں پالی ہوئی ہیں تو ان کو اپنے وقت پر دانہ پانی ڈال دیجئے گا۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ فرماتے ہیں کہ مجھے بات ہی بھول گئی۔ اب میں تفسیر (بیان القرآن) لکھنے جو بیٹھا تو کوئی مضمون وارد نہیں ہو رہا، بڑی اللہ توبہ کی بڑی دعائیں مانگیں مگر طبیعت میں کوئی انشراح ہی نہیں ہو رہا، آمد کا سلسلہ بالکل بند تھا۔ کافی دیر کے بعد فرمانے لگے کہ ہو نہ ہو، کوئی مجھ سے ایسی کوتاہی ہوئی، گناہ ہوا جس کی وجہ سے جو روز مجھ پر علم آتا تھا، اللہ نے مجھے اس معرفت سے آج محروم کر دیا۔ کہنے لگے: میں بیٹھ کر سوچنے لگا تو اچانک مجھے خیال آیا کہ اوہو! میں نے تو مرغیوں کو آج دانہ بھی نہیں ڈالا۔ فرماتے ہیں: میں اٹھ کر فوراً گھر گیا، مرغیاں بھوکی پیاسی تھیں، میں نے دانہ ڈالا، ان کو پانی دیا۔ جب مرغیوں نے وہ پانی پیا اور دانہ کھایا، اللہ نے مضامین پھر وارد کرنے شروع کر دیے اور پھر میں نے آکے اللہ کے قرآن کی تفسیر لکھی۔ اگر مرغیوں کو تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے علم کو روک لیتے ہیں۔ جو اپنی بیوی کا

دل دکھائے گا وہ اللہ کی معرفت کیسے پائے گا؟ تو دیندار لوگوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔

بیوی کو معاف کرنے پر ایک شخص کی بخشش:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کی بیوی سے کوئی غلطی کوتاہی ہوئی اب وہ اسے سزا دیتا تو حق بجانب تھا۔ مگر اس نے، اس کو اللہ کی بندی سمجھ کر معاف کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد خاوند کی وفات ہوئی، کسی نے خواب میں پوچھا: سناؤ! کیا ہوا؟ کہنے لگا: اللہ کے حضور پیشی ہوئی، فرمایا کہ تو نے اس موقع پر اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کے معاف کر دیا تھا، آؤ! آج میں تمہیں اپنا بندہ سمجھ کے معاف کر دیتا ہوں۔ اللہ اکبر کبیرا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ رب العزت اس بات کو کتنا پسند کرتے ہیں۔

ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت:

چنانچہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ شیر کی سواری کر کے آرہے تھے۔ کسی نے پوچھا: حضرت! آپ کو یہ کرامت کیسے ملی کہ شیر پر سوار ہوتے ہیں؟ فرمانے لگے: گھر میں میری بیوی تیز مزاج کی ہے، میں اس کی تلخ مزاجی پر صبر کر لیتا ہوں تو اللہ کا شیر میرے بوجھ کو اٹھانے پر صبر کر لیتا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو مقام کیسے ملا؟

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی زیادہ نازک مزاج تھے ان کے تو واقعات بہت ہی زیادہ ہیں، مگر روحانی مقام اتنا تھا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اللہ رب العزت نے مجھے ایسا کشف دیا کہ میں پوری دنیا کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر پڑے ہوئے کسی دانے کو دیکھتا ہوں۔ یہ شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس کشف کے حاصل ہونے کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت پوری دنیا میں مرزا مظہر جان جاناں جیسا دوسرا کوئی بزرگ موجود نہیں۔ تو جن کے بارے میں ایک محدث، مفسر یہ کہہ رہا ہو، اس مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ مقام ملا، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کی بیوی ذرا تیز زبان کی تھی۔ بات بات پر سخت لفظ بول دیتی تھی، تو انہوں نے اپنی بیوی کے اس ایذاء پر صبر کیا، اللہ نے ان کو ولائیت کا اتنا اونچا مقام عطا فرما دیا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَغْلِبْنَ كَرِيْمًا وَ يَغْلِبُهُنَّ لَئِيْمٌ

[کریم لوگوں پر یہ غالب آجاتی ہیں اور کمینے لوگ ان پر غالب آجاتے ہیں]

فَأُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ كَرِيْمًا مَغْلُوْباً وَلَا أُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ لَئِيْمًا غَالِبًا

(روح المعانی: ج ۵، ص ۱۴)

[میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں کریم بنوں اگرچہ مغلوب ہو جاؤں لیکن یہ پسند نہیں کرتا کہ بداخلاق بنوں اور ان پر غالب رہوں]

تو کریمی کو اور نرمی کو اتنا پسند فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں کریم بن کر رہوں، اگرچہ میری بیوی مجھ پر غالب ہی کیوں نہ آجائے۔ یہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں۔

بیوی کو کچھ ذاتی خرچہ بھی دینا چاہیے:

بعض اوقات جھگڑے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو خرچ کے لئے مناسب پیسے ہی نہیں دیتے۔ کاروبار بھی ہے، مگر گھر میں کنجوس بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اب ضرورت کی چیز بھی نہ لا کر دینا، یا بیوی کہے: فلاں چیز کی گھر میں ضرورت ہے۔ اور وہ بھول ہی جانا، جو مردوں کا شیوہ ہے تو یقیناً یہ جھگڑے کا

سبب بنے گا۔تو اعتدال کے ساتھ اس کی ضروریات کو پورا کرنا، اس کو کپڑا جوتی لے کر دینا، ضرورت کی چیز لے کر دینا، اچھا کھانا لے کر دینا، یہ خاوند کا فرض منصبی ہوتا ہے۔شریعت نے یہ کہا کہ گھر کے خرچ اخراجات تو اپنی جگہ، اپنی حیثیت کے اعتبار سے خاوند ہر مہینے بیوی کا جیب خرچ متعین کر دے، اور دینے کے بعد اس کو بھول جائے۔اس کے بارے میں یہ مت پوچھے کہ کہاں لگایا؟ شریعت کا حسن دیکھئے! شریعت کی خوبصورتی دیکھئے! کیوں؟اس لئے کہ بیوی کے اپنے تو ذرائع آمدن ہوتے نہیں ہے۔اسے تو اپنے خاوند پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔اب خاوند اسے ایک پیسہ بھی ضرورت کے لئے نہیں دیتا تو ذاتی ضرورت کی چیزیں وہ کیسے لے سکے گی؟ پھر اس کے پاس اس کی بہن کا بیٹا آیا، بھائی کا بیٹا آیا، کوئی بچہ آیا، یہ خالہ ہے، پھوپھی ہے اس کا بھی جی چاہتا ہے میں کسی کو کھلونا لے کر دوں، کسی کو گفٹ لے کر دوں، پیار سے کسی کو ہدیہ دوں تو کیا یہ اپنے خاوند سے ہر وقت بھیک مانگتی رہے گی؟ تو شریعت نے کہا کہ تم بیوی کے لیے اپنی حیثیت کے اعتبار سے جیب خرچ متعین کر دو، اس کو خرچہ دینا شروع کر دو! مگر اس کے بارے میں مت پوچھو کہ اس نے کہاں خرچ کیا؟ ہوسکتا ہے، اس کا دل چاہے وہ اپنی کسی غریب پڑوسن، کسی غریب سہیلی کی مدد کرنا چاہے، اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چاہے، تو وہ کر سکے۔تو شریعت کہتی ہے کہ اعتدال کے ساتھ بیویوں کو کچھ خرچ دینا ضروری ہوتا ہے۔چنانچہ خاوندوں کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کا ماہانہ متعین کریں۔

چند دن ہوئے ایک بزنس مین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو بات کرتے کرتے وہ کہنے لگا کہ حضرت! بیوی بہت مہنگی ہوتی ہے۔اس کی بات سن کر مجھے حیرانی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو اتنا دیا کہ میرے خیال میں اگر یہ چاہے تو ہر مہینے لاکھوں خرچ کرسکتا ہے مگر اس کی بات دیکھیں کہ کہنے لگا: حضرت! بیوی بہت مہنگی ہوتی ہے۔

پیسے کی محبت کا یہ حال۔

بیوی کو اپنے ماں باپ سے ملنے میں رکاوٹ نہ ڈالے:

ایک جھگڑے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ جب شادی ہوجاتی ہے تو خاوند اپنی بیوی کو اپنے ماں باپ سے بھی کئی دفعہ ملنے کی اجازت نہیں دیتے۔ بس جی کام ہیں، بس مصروف ہیں۔ کبھی غصہ سے روک دیتے ہیں، کبھی محبت سے۔ ایک حافظ صاحب تھے نو سال سے اپنی بیوی کو اپنے ماں باپ سے نہیں ملنے دیا۔ خود امارات میں رہتے تھے اور اس کے ماں باپ انڈیا میں تھے۔ اب وہ بچی عالمہ بھی ہے، عاملہ بھی ہے، تقیہ، نقیہ بھی ہے، بہت اچھی عبادت گزار بچی، مگر دل سے اتنی دکھی حالانکہ خاوند بھی دیندار حافظ تھا۔ بیوی جب بھی کہتی: میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں امی کے پاس جاؤں تو وہ کہتے کیا کروں میرا تمہارے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔ مجھے اندازہ ہوا تو میں نے ان کو کہا: حافظ صاحب نو سال گزر گئے، بیٹی ہے، اس کا دل چاہتا ہے کہ میں ماں باپ سے ملوں، تو آپ جانے دیں۔ تو کہنے لگے: حضرت! کیا کروں مجھے اس کے بغیر نیند نہیں آتی۔ میں نے کہا: بہت اچھا تمہیں نیند نہیں آتی، آپ اپنی جاب سے ایک مہینے کی چھٹی لو! اور خود بھی اس کے ساتھ جاؤ! اور ایک مہینہ وہیں پر رہو! اب حافظ صاحب کی آنکھیں کھلیں۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ حضرت صاحب سیریس ہیں۔ اب اس نے واقعی ایک ہفتہ کی چھٹی لی اور اپنی بیوی کو لے کر گیا اور جا کر اپنی بیوی کو والدین سے ملا کر لایا۔ جب کہ اس نو سال میں وہ دو درجن دفعہ اپنے والدین سے مل کر آیا تھا۔ تو اپنے والدین سے ملنے کے لئے وقت ہے، اس وقت نیند کیسے آجاتی ہے بھئی؟ یہ بے وقوفیاں ہوتی ہیں کہ اپنے محرم رشتہ داروں سے، باپ سے، ماں سے، بہن سے، بھائی سے بھی اس کو ملنے نہ دینا۔ ہم نے گھر میں کوئی جانور پالا ہوا ہے! اس کو انسان سمجھئے اور اس کی ضرورتوں کو محسوس کیجئے! یہ خاوند کی ذمہ داری ہوتی

ہے۔ یاد رکھیں! کہ شادی سے پہلے خاوند کی ایک ماں اور ایک باپ، اور شادی کے بعد اب ساس اور سسر، اس کے لئے ماں اور باپ کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر یہ اس کو اس کے ماں باپ سے نہیں ملنے دے رہا تو گویا اپنے ماں باپ سے نہیں ملنے دے رہا۔

جھگڑوں کی ایک بڑی وجہ...... بڑھاپا:

پھر شادی کے جھگڑوں میں ایک بڑی وجہ بڑھاپا ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب زندگی کا وقت ہوتا ہے جس میں طبیعتوں کے اندر بہت زیادہ سختی آ جاتی ہے اور طبیعتیں حساس ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر عورتیں بوڑھی ہوں یا مرد بوڑھے ہوں، ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ ہم نے بعض بوڑھوں کو دیکھا کہ وہ ہوا کو گالیاں دے رہے ہوتے ہیں۔ طبیعت ایسی حساس ہوگئی۔

ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک بوڑھا، ڈاکٹر کے پاس گیا کہنے لگا: ڈاکٹر صاحب! میری بینائی کمزور ہوگئی، اس نے کہا: بڑھاپا ہے۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے اونچا سنتا ہے، اس نے کہا بڑھاپا ہے۔ ڈاکٹر صاحب! میرے تین چار دانت بھی گر گئے ہیں، بڑھاپا ہے۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا، بڑھاپا ہے۔ جب ڈاکٹر نے بار بار کہا کہ بڑھاپا ہے تو بوڑھے میاں کو غصہ آیا۔ اس نے کہا: یہ کیا ہر بات پر بڑھاپا ہے، بڑھاپا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا: بڑے میاں یہ بھی بڑھاپا ہے۔ تو بڑھاپے میں بندے کی طبیعت ایسی ہو جاتی ہے۔ میاں بیوی کی اکثر لڑائیاں اس عمر میں ہوتی ہیں جب ان کو ایک دوسرے کی طبعی ضرورت کم ہو جاتی ہے، یعنی ایک دوسرے کی ضرورت نہیں رہتی تو ان کے یہ جھگڑے بہت بڑھ جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے کہا کہ جب میری شادی ہوئی تو میں بولتا تھا اور بیوی سنتی تھی۔ پھر بچے ہو گئے اور ماں کے ووٹ بڑھ گئے، پھر بیوی بولتی تھی اور میں سنتا تھا۔ پھر ہم دونوں بوڑھے ہو گئے تو پھر ہم دونوں بولتے تھے اور محلے والے سنتے تھے۔ تو

بڑھاپے کی لڑائیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔

شریعت کا حسن و جمال دیکھئے کہ شریعت نے میاں بیوی کے تعلق میں دو لفظ استعمال کئے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝﴾

[اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم میں سے تمہارے لئے جوڑا بنایا، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرسکو۔ اور تمہارے درمیان مودت و رحمت رکھ دی۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے]

مفسرین نے نقطہ لکھا کہ ''مودت'' جوانی میں ہوتی ہے۔ جوانی کی عمر میں ایک دوسرے کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ میاں بیوی لڑ بھی پڑتے ہیں تو رات کو پھر ایک ہوتے ہیں۔ میاں بیوی ناراض بھی ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی ضرورت ان کو پھر منوانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ مودت ہوتی ہے۔ لیکن جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک دوسرے کی جو طبعی ضرورت ہوتی ہے وہ تو نہیں رہتی۔ وہ تعلق تو بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ تو اب دونوں کو جوڑنے کے لئے کیا چیز ہے؟ تو فرمایا کہ تمہارے درمیان رحمت کا تعلق بھی رکھ دیا۔ رحمت کا کیا مطلب؟ کہ خاوند اگر بوڑھا ہو گیا تو بیوی یہ سوچے کہ میں جب آئی تھی تو یہ کتنا نوجوان تھا، اس نے کمایا، اس نے گھر بنایا، اس کے بچے ہیں، اس نے مجھے خوشیاں دیں اور مجھے خوشیاں دے دے کر اب یہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اور اب اگر اس کی طبیعت میں سختی آ بھی گئی ہے تو جیسے ایک بیمار آدمی کے ساتھ بندہ ڈیل کرتا ہے تو مجھے اس کے اتنے عرصے کی محبتوں کا بدلہ دینا ہے اور بڑھاپے میں اس کی خدمت کرنی ہے۔

اور فرمایا کہ خاوند یہ سوچے کہ جب یہ میرے پاس آئی تھی تو یہ کس قدر نوجوان

اور خوبصورت لڑکی تھی، پھر یہاں آ کر اس کے بچے ہوئے اور اس کا یہ حال ہو گیا کہ بوڑھی ہوگئی۔ اس لڑکی نے اپنی جوانی میری خدمت کرتے کرتے گزار دی اور بڑھاپے کو آ گئی۔ اب اگر بڑھاپے میں اس کی طبیعت میں اگر تلخی ہے، تیزی ہے، کوئی بھی ایسا مسئلہ ہے تو اس نے اپنے آپ کو میری ہی خاطر بوڑھا کیا ہے۔ تو مجھے اس کا لحاظ تو رکھنا چاہئے۔ لہٰذا بڑھاپے میں دونوں نے جو اتنے سال ایک دوسرے کو محبتیں دیں، فرمایا کہ اس کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال رکھنا اس کو ''رحمت'' کہتے ہیں۔ تو بڑھاپے میں اگر رحمت کا خیال رکھیں اور کہیں کہ جی ہاں ہم نے اتنی اچھی زندگی گزاری ہے تو بڑھاپا تو ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ اچھا ہی گزارنا چاہئے تو یقیناً دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرتیں ختم ہو جائیں گی۔

جنت میں نہیں جانا......

یہ بڑھاپے کی نفرتیں اتنی ہوتی ہیں کہ توبہ توبہ! بعض دفعہ تو ایسی صورتحال ہوتی ہے کہ میرے خیال میں اگر خاوند کو کہیں نا، کہ تمہارے ہاتھ میں اگر گولی ہو تو کس کو مارو گے؟ تو کہے گا: بیوی کو۔ اور بیوی سے پوچھیں کہ تمہارے ہاتھ میں گولی ہو تو کس کو مارو گی؟ تو کہے گی: خاوند کو۔ ایک دوسرے سے ایسی نفرتیں ہوتی ہیں۔

ایک دفعہ مجھے کہیں جانے کا موقع ملا۔ ایک بوڑھے میاں تھے، اپنے زمانے میں انڈسٹری کی لائن میں تھے اور بڑے کھاتے پیتے تھے، بڑی کوٹھی میں رہتے تھے۔ جوانی میں تو دین کی طرف اتنا رجحان نہیں تھا، بڑھاپے میں تھوڑا دین کی طرف بھی آ گئے۔ دونوں میاں بیوی نے نمازیں بھی شروع کر دیں، مگر بیوی بھی امیر خاوند کی بیوی تھی اور دونوں میاں بیوی فسق و فجور میں رہنے والے تھے۔ اس نے اپنے میاں کو جوانی میں خوب ٹف ٹائم دیا تھا۔ حتیٰ کہ میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو گئے۔ اب وہ ملنے کے لئے آئے تو کوئی بات چلی اور درمیان میں کہیں جنت کا تذکرہ

آ گیا۔ میں نے اس کی تفصیل کچھ بیان کر دی کہ انسان عبادت کرتا ہے تو اللہ نے اسکی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے جنت میں یہ یہ سامان بنا رکھا ہے۔ جب میں نے یہ ساری باتیں بتائیں تو بوڑھے میاں کہنے لگے: حضرت! جنت میں میری بیوی تو نہیں ہو گی نا۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگا کہ اگر یہ جنت میں ہو گی تو میں نے جنت میں نہیں جانا۔ یعنی اتنا تو وہ تنگ تھا کہ کہتا تھا کہ اگر یہ جنت میں ہوئی تو میں نے جنت میں نہیں جانا۔ پھر میں نے اسے سمجھایا کہ یہ جیسی اب ہے، ویسی بن کر جنت میں نہیں جائے گی۔ جنت میں یہ باکرہ بن کر، نیک بن کر، اچھی بن کر جائے گی۔ مجھے اس بوڑھے کو Convince (منوانے) کرنے میں پانچ دس منٹ لگے۔ وہ کہتا تھا کہ میں نے جنت میں جانا ہی نہیں جہاں یہ ہو گی۔ یہ بڑھاپے کے جھگڑے ایسے ہوتے ہیں۔

ایک دوسرے کی قدر کریں:

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب میاں بیوی قریب ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے لڑائیاں ہوتی ہیں، اگر اسی حالت میں خاوند فوت ہو جائے تو یہی بیوی ساری زندگی خاوند کو یاد کر کے روتی رہے گی کہ جی اتنا اچھا تھا، میرے لئے تو بہت ہی اچھا تھا۔ اگر بیوی فوت ہو جائے تو یہی خاوند ساری زندگی یاد کر کے روتا رہے گا کہ بیوی اتنی اچھی تھی، میرا کتنا خیال رکھتی تھی۔ تو پنجابی کی ایک کہاوت ہے کہ ''بندے دی قدر آندی اے ٹر گیاں یا مر گیاں''

ہم بندے کی قدر اس کے قریب رہتے ہوئے کر لیا کریں۔ کئی مرتبہ یہ دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی جھگڑے میں ایک دوسرے کو طلاق دے دیتے ہیں، جب ہوش آتی ہے تو خاوند اپنی جگہ پاگل بنا پھرتا ہے اور بیوی اپنی جگہ پاگل بنی پھرتی ہے۔ پھر ہمارے پاس آتے ہیں کہ مولوی صاحب کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ ہم پھر سے میاں بیوی بن کر رہ سکیں ایسی صورت حال ہرگز نہیں آنے دینی چاہئے۔ عفو و درگزر

اور افہام و تفہیم سے کام لینا چاہئے۔ بلکہ ایک روٹھے تو دوسرے کو منا لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی سفارش:

تاہم اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں عورتوں کے بارے میں ایک سفارش فرمائی ہے۔ بڑی اہم بات ہے خاوندوں کو دل کے کانوں سے یہ بات سننی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

[کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ بڑے اچھے انداز سے زندگی گزارو!]

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا میں اللہ کی اس سفارش کا لحاظ اور خیال رکھے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کے گناہوں کے بخشنے میں اس کا لحاظ کریں گے۔ اور فرمایا کہ جو اپنی بیویوں کو تنگ کرے گا، ٹف ٹائم دے گا، مصیبت میں رکھے گا، رلائے گا، دکھ پہنچائے گا۔ فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ کے حضور جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھو! میں نے سفارش کی تھی کہ تم بیویوں سے پیار محبت سے رہو، تم اسے رلاتے تھے، تم اسے تنگ کرتے تھے، راتوں کو سونے نہیں دیتے تھے، تم اسے میکے بھیجتے تھے، تم اس کے ساتھ اتنی زیادہ سرد مہری کے ساتھ پیش آتے تھے، تم نے میری بات کا لحاظ ہی نہ رکھا، آج تم میری رحمت کے کیسے طلب گار بنتے ہو؟ ایسے بندے کو اللہ رب العزت جہنم کے اندر الٹا لٹکا دیں گے۔ تو آج اگر بیوی کا باپ پولیس میں آئی جی ہو اور وہ فون کر دے کہ میری بیٹی کے ساتھ ٹھیک رہنا تو نوجوان کانپ رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر بیوی نے شکایات کر دیں تو اس کے ابو میرے لئے مصیبت بن جائیں گے۔ ایک پولیس کا بندہ، ایک دنیا کا حاکم، اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو وہ کیا کچھ کر دیتا ہے! تو اگر اللہ کی بات نہیں مانیں گے تو اللہ کو کتنا جلال آئے گا!۔ یاد رکھئے! جو بلا وجہ اپنی بیویوں کو تنگ کرتے ہیں تو ہمارے بزرگوں

نے فرمایا کہ جیسے شیر غصے کی حالت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس خاوند کے اوپر اس طرح غصہ فرماتے ہیں۔

نبی ﷺ کی آخری وصیت:

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ جب اس دنیا سے جانے لگے تو آپ ﷺ کی مبارک زبان سے جو آخری بات عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں میں نے کان لگا کر سنی کہ نبی علیہ السلام فرما رہے تھے:

اَلتَّوْحِیْدُ اَلتَّوْحِیْدُ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

''کہ توحید پر جمے رہنا اور جو تمہارے ماتحت ہیں اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔''

تو ان کی اتنی اہمیت ہے کہ حضور ﷺ عین آخری وقت بھی اس کی وصیت کر کے گئے۔

ایک حدیث پاک میں نبی ﷺ نے فرمایا:

لوگو! اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، میں قیامت کے دن ان کا وکیل بن جاؤں گا۔

اگر تم نے ان کے ساتھ زیادتی کی، ظلم کیا، سختی کی، اور اپنی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: میں قیامت کے دن ان کا وکیل بن جاؤں گا اور تم سے ان کو ان کا حق دلا کر رہوں گا۔ اب سوچئے: جب اللہ کے حبیب ﷺ ان کے وکیل بن جائیں گے تو ہمیں اللہ کے حبیب ﷺ کی شفاعت کیسے نصیب ہوگی؟

آج وقت ہے:

آج وقت ہے اپنی غلطی کوتاہی سے معافی مانگنے کا۔ اس لئے اس عاجز کی یہ ایک

نصیحت ہے کہ اگر بیوی سمجھتی ہے کہ میں نے خاوند کے ساتھ زیادتی کی تو وہ آج اپنے خاوند کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے اور اگر خاوند سمجھتا ہے کہ میں نے بیوی کو ستایا اور رلایا ہے، آج جا کر اپنی بیوی سے معافی مانگ لے، اس کا دل خوش کر لے، اپنی بیوی کا دل خوش کرے گا، دوسرے لفظوں میں اپنے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کا دل خوش کرے گا اور اپنے اللہ رب العزت کو خوش کرے گا۔ اللہ رب العزت ہمیں حقیقت حال کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخری بات:

آخری بات سن لیجئے! آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے ہیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیالے میں پانی پی رہی ہیں۔ نبی ﷺ نے دور سے دیکھا، فرمایا! اے حمیرا! فرمایا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ! (اے اللہ کے نبی ﷺ حکم فرمایئے) حمیرا! میرے لئے کچھ پانی بچا دینا۔ سوچنے کی بات ہے کہ برکتیں تو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ میں تھیں، آپ برکتوں والی ذات تھے۔ آپ اپنی بیوی کا بچا ہوا پانی کیوں پینا چاہتے تھے؟ اصل میں محبت اظہار مانگتی ہے، اظہار کے بغیر وہ رہ نہیں سکتی۔ نبی ﷺ حکم دیتے، ٹھنڈا پانی آپ کو کہیں سے بھی پیش کر دیا جاتا، مگر بیوی کا بچا ہوا پانی محبت کے اظہار کے لئے آپ پینا چاہتے تھے۔ فرمایا، حمیرا! پانی میرے لئے بھی بچا دینا۔ آپ تشریف لائے، عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے وہ بچا ہوا پانی کا پیالہ آپ کے حوالے کر دیا۔ نبی ﷺ نے مبارک ہاتھوں میں لے لیا اور اس بعد آپ پینے لگے۔ تو آپ ﷺ نے پیالے کو ایک جگہ روک کر پوچھا، حمیرا! تم نے کس جگہ اپنے لب لگا کر پانی پیا تھا؟ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انگلی سے بتا دیا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! میں نے پیالے کی اس جگہ سے پانی پیا تھا۔ نبی ﷺ نے پیالے کے رخ کو پھیرا اور عین اسی جگہ اپنے مبارک لب لگا کر پانی کو نوش

فرمایا۔ جب خاوند اپنی بیوی کو اتنی محبتیں دے گا، اس کا دماغ خراب ہے کہ وہ گھر کو آباد نہیں کرے گی۔ یہ تو میاں کے اوپر مرتب ہوتا ہے کہ اگر بیوی کو محبتیں دے دیتا ہے، گھر آباد ہوجاتا ہے۔ صحیح ہینڈل نہیں کرتا ہے، گھر برباد ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور ازدواجی زندگی کے جھگڑوں سے ہمیں بچائے اور گھروں کے فساد سے اللہ ہمیں محفوظ فرمائے اور ہمارے گھروں کو اللہ چھوٹی سی جنت کا ماحول عطا فرمائے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پڑوسیوں کے جھگڑے

ازافادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

پڑوسیوں کے جھگڑے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ،بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَo
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دین اسلام میں کشادہ روئی کی تعلیم:

دین اسلام دین فطرت ہے۔ ہر انسان کو آپس میں پیار اور محبت سے زندگی گزارنے کا سبق سکھاتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اس بات کی تعلیم دی کہ ہماری جس بندے سے بھی ملاقات ہو ہم اس سے کشادہ روئی کے ساتھ ملیں اور اچھے انداز سے گفتگو کریں۔ اس میں مسلمان اور کافر کا کوئی فرق نہیں۔ دو انسان جب آپس میں ملتے ہیں تو انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ آپس میں انسانوں کی طرح ملیں۔ چنانچہ شریعت نے کہا:

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ﴾
[لوگوں کے سامنے منہ نہ پھلاؤ!]

جب تم انسانوں سے ملو تو کشادہ چہرے کے ساتھ ملو۔ تیوریاں چڑھا کر ملنا، منہ بنا کر ملنا، شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا۔ تو سب سے پہلے فرمایا کہ جب ایک

دوسرے کو ملو گے تو ایک دوسرے کے چہرے سے تمہیں اندازہ ہو گا کہ تمہارے اندر خوشی ہے یا غصہ ہے، خیر ہے یا شر ہے؟ جب تم کھلے چہرے کے ساتھ ملو گے، کشادہ چہرے کے ساتھ ملو گے، مسکراتے چہرے کے ساتھ ملو گے تو دوسرا بندہ تمہارے قریب آنے کی کوشش کرے گا۔ تو مومن کو چاہیے کہ جب بھی کسی سے ملے تو کشادہ چہرے کے ساتھ ملے۔

نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ:

نبی علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی، حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) جس کی راویہ ہیں فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام جب بھی گھر میں تشریف لاتے تھے ہمیشہ مسکراتے چہرے کے ساتھ آتے تھے۔ کچھ نوجوانوں کو دیکھا دفتر میں، مجلس میں، دوستوں کے ساتھ خوب گپ شپ ہوتی ہے اور گھر آتے ہیں تو چہرے کے اوپر ایسی سنجیدگی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں وہ کس مصیبت کے اندر گرفتار ہو گئے ہیں! یہ بھی خلاف سنت ہے۔ دو مسلمانوں کا ملنا تو بہت ہی بڑی بات ہے، شریعت نے کہا کہ انسان ہونے کے ناتے کسی کافر سے بھی ملو تو کشادہ چہرے سے ملو، مسکرا کر بات کرو۔

شیریں کلامی کی تعلیم:

دوسری جگہ فرمایا کہ جب تمہیں گفتگو کرنی پڑے تو شیریں زبانی سے بات کرو، فرمایا:

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا [لوگوں سے اچھے انداز سے گفتگو کرو]

تمہارے منہ سے جو گفتگو نکلے اس میں محبت، ہمدردی، غمگساری، شیریں کلامی ہونی چاہئے۔ آپ دیکھئے کہ مومن اور کافر کا اس میں کوئی فرق نہیں۔ شریعت نے اسمیں للناس کا لفظ استعمال کیا (انسانوں کیلئے)۔ ولا تصعر خدك للناس ۔قولو

للنـاس حسنـا ۔تو یہ دو باتیں کس قدر اہم ہیں! اور اسلام کی حقانیت کی کتنی پیاری دلیل ہیں کہ جو ہر ایک کے ساتھ، کھلے چہرے کے ساتھ شیریں زبانی کی گفتگو کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

دوسروں کیلیے آسانی کرنے کی تعلیم:

نبی ﷺ نے فرمایا کہ

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا!

[آسانیاں کرو مشکل نہ کرو لوگوں کے لئے]

گویا تین باتیں معلوم ہوگئیں ۔ایک کشادہ روئی، دوسرا شیریں کلامی اور تیسرا سہولت و آسانی تو اس دین کی تعلیمات کس قدر خوبصورت ہیں!

زیادہ گرمجوشی سے ملنے کی فضیلت:

نبی ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جب دو مسلمان بہنیں آپس میں ملتی ہیں، حدیث پاک میں بھائی کا لفظ ہے لیکن چونکہ عورتوں کا مجمع ہے اس لئے انہی کی زبان میں گفتگو کی جارہی ہے۔تو مفہوم یہ نکلا کہ جب دو مسلمان عورتیں آپس میں ملتی ہیں تو اللہ رب العزت ان پر ستر رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ ان میں سے انہتر رحمتیں اسکو ملتی ہیں جو دونوں میں سے زیادہ پیار، زیادہ محبت اور زیادہ گرمجوشی کے ساتھ ملتی ہے۔کیا خوبصورت بات کہی گئی؟ آپ بیان سننے کے لئے آتی ہیں تو اس دوران ممکن ہے آپ کی درجنوں عورتوں کے ساتھ سلام علیکم ہوئی ہو تو اگر آپ کھلے چہرے سے سلام کریں، محبت، پیار سے حال احوال پوچھیں اور ملنے میں گرمجوشی دکھائیں تو فرمایا کہ ستر رحمتیں نازل ہوں گی اور ان میں سے انہتر رحمتیں اس پر نازل ہوں گی جو زیادہ گرمجوشی سے ملے گی، جو زیادہ محبت کا اظہار کرے گی۔

دو بھائی دو ہاتھوں کی مانند ہیں:

ایک حدیث پاک میں ہے کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی سی ہے۔ جس طرح دونوں ہاتھ ایک دوسرے کو دھوتے ہیں اسی طرح جب دو مسلمان بھائی آپس میں ملتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے گناہوں کے جھڑنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا خوبصورت تعلیم دی گئی! اس کا مطلب یہ ہوا جب بھی دو مسلمان عورتیں آپس میں ملتی ہیں تو ان دونوں کا ملنا اس طرح ہے۔ جس طرح دو ہاتھ ایک دوسرے کو دھونے کا سبب بنتے ہیں، ان کے ملنے سے ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کو محبت پیار سے ملنا اگر اتنا پسند ہے تو محبت پیار کے ساتھ رہنا سہنا کتنا پسند ہوگا!

چنانچہ نبی ﷺ ایک مرتبہ سفر پر تشریف لے گئے ایک صحابی بھی ساتھ تھے، راستے میں مسواک بنانے کی ضرورت پیش آئی، نبی ﷺ نے دو مسواکیں بنائیں ان میں سے جو زیادہ سیدھی تھی اور خوبصورت تھی وہ آپ ﷺ نے صحابی کو دی تو وہ صحابی کہنے لگے: اے اللہ رب العزت کے پیارے حبیب ﷺ! میرا جی چاہتا ہے، (آپ میرے آقا ہیں) یہ سیدھی اور خوبصورت مسواک آپ کے پاس ہو۔ نبی ﷺ نے مسکرا کر جواب دیا کہ جس طرح تمہارا یہ جی چاہتا ہے کہ یہ میرے پاس ہو، تم میرے رفیق سفر ہو، میرا بھی جی چاہتا ہے کہ یہ تمہارے پاس ہو۔ چنانچہ محبت پیار سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، ایک دوسرے کا اکرام کرنا، عزت کرنا یہ دین کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔

ساتھ رہنے کا مزا:

ہمارے بزرگ اس طرح رہتے تھے کہ دوسروں کو ان کے ساتھ رہنے کا

مزا آ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا، سفر شروع ہونے سے پہلے انہوں نے کہا کہ اچھا بتاؤ! ہم میں سے امیر کون ہے؟ میں نے عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: جی آپ سب کے امیرِ سفر ہیں۔ انہوں نے کہا: بہت اچھا! اب اگر میں امیر بن گیا تو تمہیں پورے سفر میں میری بات کو ماننا ہوگا۔ میں نے کہا، حاضر ہوں چنانچہ نہوں نے اپنے اور میرے سامان کو باندھا اور اپنے سر پہ رکھ لیا۔ میں نے کہا: جی مجھے اٹھانے دیں کہنے لگے کہ آپ مجھے امیر مان چکے ہیں اب جو میں کر رہا ہوں مجھے کرنے دیں۔ میں بڑا حیران۔ چنانچہ دونوں کا سامان انہوں نے خود اٹھایا، چلے، راستے میں جب کھانے کا وقت آتا تو وہ کھانا میرے سامنے رکھتے اور مجھے حکماً زیادہ کھلاتے حتیٰ کہ ایک جگہ بارش ہوگئی تو وہ اپنی چادر لے کر ایک گھنٹہ میرے اوپر سایہ کئے رہے تاکہ میں بارش سے بچا رہوں اور آرام کی نیند سویا رہوں۔ میں نے کہا کہ جی مجھے آپ کی خدمت کرنی چاہیے۔ جب میں بات کرتا تو وہ کہتے: دیکھو! آپ مجھے امیر مان چکے ہیں۔ لہٰذا اب جو میں کہوں گا وہ آپ کو کرنا ہوگا۔ تو کہنے لگے کہ میں افسوس ہی کرتا رہا کہ کاش میں نے انہیں امیر نہ بنایا ہوتا!۔ میں تو ان کی خدمت ہی نہ کر سکا، ساری خدمت انہوں نے اپنے ہی ذمے لے لی۔ اب ایسے رفیق سفر کہاں ملتے ہیں؟ شریعت نے اس قدر خوبصورت انداز سے مل جل کر رہنے کی تعلیمات دیں کہ اگر بندہ شریعت کے مطابق رہے تو اسکو زندگی گزارنے کا مزہ آجائے۔

تعلیماتِ شریعت:

چنانچہ جب ایک دوسرے کے ساتھ رہیں تو شریعت کہتی ہے کہ ایک دوسرے سے جھوٹ نہ بولیں، خیانت نہ کریں، غیبت نہ کریں، ایک دوسرے کے راز فاش نہ کریں۔ بلکہ ہمارے اسلاف فرمایا کرتے تھے کہ ''دوستی کے قابل وہ شخص ہوتا ہے کہ

جس کو تیرے کسی عیب کا پورا پتہ ہو اور پھر وہ تیرے عیب کو چھپائے'' بلکہ ان کے الفاظ یہ تھے ''جو تیرے عیب کو اس طرح جانے جس طرح اللہ رب العزت تیرے عیب کو جانتے ہیں اور پھر وہ تیرے عیب کو اس طرح چھپائے جس طرح اللہ رب العزت تیرے عیب کو چھپاتے ہیں''۔ اللہ اکبر کبیرا۔ یہ بات پڑھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ

اللہ رب العزت کے اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرو۔ اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو اسلاف کی زندگیوں کو دیکھنا چاہیے۔

ناقابل بھروسہ شخص:

چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص چار حالات میں بدل جائے، چار صورت حال میں جو بدل جائے وہ ناقابل بھروسہ ہوتا ہے: خوشی ملے اور وہ اپنے ساتھیوں کو بھول جائے۔ غصہ میں اپنے تعلق کو بھول جائے۔ کسی چیز کی طمع ہو اور اپنے تعلق کو بھول جائے۔ خواہش نفسانی کی خاطر تعلق کا خیال نہ رکھے تو فرمایا کہ ایسا آدمی ناقابل بھروسہ ہوتا ہے، دوستی کے قابل نہیں ہوتا۔

جانوروں سے سبق:

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ایک جگہ گئے تو دو بیل جو ہل میں استعمال ہوتے تھے اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ جیسے ہی قریب سے گزرے تو ایک بیل اٹھا اور ساتھ ہی دوسرا بھی اٹھ گیا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سے آنسو آگئے، فرمانے لگے دیکھو! یہ جانور ہیں، بیل ہیں، ایک اٹھا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر یہ اپنے ساتھ کو اس طرح نبھا سکتے ہیں تو کیا انسان ایک دوسرے کے ساتھ کو اس طرح نہیں نبھا سکتے؟ انہی جانوروں کو دیکھ کر بھی وہ سبق حاصل کرتے تھے۔

جو اپنے لیے پسند وہی دوسروں کے لیے:

چنانچہ دینِ اسلام نے ایک بہت ہی پیاری تعلیم دی، یہ کہا کہ جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی تم دوسرے کے لئے پسند کرو۔ یہ زندگی گزارنے کا اس قدر خوبصورت اصول ہے کہ پوری دنیا میں آپ چلے جائیں آپ کو اس سے زیادہ حسین اور خوبصورت اصول اور کوئی نہیں مل سکتا۔ اب انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں تو اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کی عزت کرے، انسان چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی غلطیوں کو معاف کر دیں تو وہ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرے، انسان چاہتا ہے کہ اس کے گھر کی عزت کی لوگ حفاظت کریں تو اسے چاہیے کہ دوسروں کی عزت کی حفاظت کرے۔ یہ کتنا پیارا اصول ہے کہ جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی چیز تم دوسروں کے لئے پسند کرو۔

بھلائی ہر ایک کے لیے!

چنانچہ شریعت نے کہا کہ انسان کو چاہیے کہ ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرے اگرچہ نیک ہو یا بد ہو یعنی نیک کے ساتھ بھی بھلائی کرے اور برے کے ساتھ بھی بھلائی کرے۔ برے کے ساتھ بھلائی کیا ہوگی کہ پیار محبت کے ساتھ اسکو برائی سے روک لے، ایسی محبت دے کہ دوسرا برائی سے باز آجائے۔ کسی نے کہا کہ نیک تو بھلائی کے قابل ہوتا ہے بد تو بھلائی کے قابل نہیں ہوتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگرچہ وہ اس قابل نہیں ہوتا مگر تم تو اس قابل ہو کہ تم دوسرے کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔ تو اپنے کو دیکھو اسلئے کہ اللہ رب العزت نیک اور بد ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ اور ہمیں اللہ رب العزت کے خلق کو اپنے اندر لینا ہے۔

مستحق کون ہے؟

ہمارے حضرت مرشد عالمؒ حرم شریف میں بیٹھے تھے تو وہاں بعض دفعہ مانگنے والے بھی آجاتے ہیں۔ ان مانگنے والوں میں بڑے صحت مند نوجوان بھی نظر آجاتے ہیں تو ایک شخص حضرت کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ حضرت! بہت مانگنے والے یہاں آتے ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ کون مستحق ہے یا مستحق نہیں، تو ہم کیا کریں؟ حضرت مرشد عالمؒ نے اسکی طرف دیکھا اور اس سے پوچھا کہ اچھا تم یہ بتاؤ کہ اللہ رب العزت جو کچھ تمہیں دے رہا ہے اس کے تم مستحق ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ تو فرمایا کہ جب تمہیں مستحق ہونے کے بغیر بھی سب کچھ دے رہا ہے تو تم بھی اللہ کے بندوں کو دو۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ جو زیادہ مستحق نظر آئے اسکو زیادہ دے دو جو کم نظر آئے اس کو ذرا کم دے دو، دیا ضرور کرو! اور پھر ایک عجیب بات سمجھائی، فرمایا کہ اس نیت سے دیا کرو کہ اللہ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے لینے والوں میں سے نہیں، دینے والوں میں سے بنایا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا کرو! دیکھیں اللہ والے کیسے اچھی اور پیاری باتیں دوسرے بندے کے دل میں اتار دیتے ہیں۔

صفت ستاری پیدا کرنے کی ضرورت:

چنانچہ مل جل کر رہنا ہو تو انسان ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور محبت سے رہے اور اگر کسی کے عیب نظر آئیں تو انکی پردہ پوشی کرے۔ اصول یاد رکھیں! کسی کے پوشیدہ عیبوں کو ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ ستر پوشی، عیبوں کو چھپا لینا اللہ رب العزت کی صفت ہے اور بندے کو بھی یہ صفت اپنے اندر رکھنی چاہئے۔ اور اگر ہم غور کریں تو ہم تو جی ہی اسی صفت کے صدقے رہے ہیں، سچی بات ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں:

"اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے

پروردگار کی صفت ستاری کی تعریف کی۔''

وہ تیری تعریف نہیں کررہا۔ تیری حقیقت تو ایسی ہے اگر کھل جائے تو لوگ تجھے منہ نہ لگائیں، تیری طرف دیکھنا گوارا نہ کریں۔ تو فرماتے کہ اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔ تو ہم تو اللہ رب العزت کی صفت ستاری کے صدقے ہی جی رہے ہیں۔ اگر اللہ رب العزت ہمارے اندر کا ہر پول کھول دیں تو ہم تو پوری دنیا میں ذلیل ہو جائیں۔ تو جب اللہ رب العزت چھپاتے ہیں سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ کی شان ستاری:

حدیث پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک بندے کو کھڑا فرمائیں گے اور اس کے گرد اپنی رحمتوں کی چادر کو تان لیں گے پردہ کرلیں گے، مخلوق سے وہ بندہ چھپ جائے گا اب اس بندے کو کہیں گے اے میرے بندے! تو نے فلاں دن یہ کیا، فلاں دن یہ کیا، وہ کہے گا جی! اس کے بڑے بڑے سب گناہ اس کو گنوائیں گے۔ حتیٰ کہ اس بندے کو یقین ہو جائے گا کہ آج میں جہنم کی آگ سے بالکل نہیں بچ سکتا۔ جب اس کے دل میں پکا یقین ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: گناہ تو تو کرتا تھا لیکن ہم سے ڈرتا بھی تھا، گناہوں پر چھپ چھپ کر روتا بھی تھا۔ ہم نے دنیا میں بھی تیرے عیبوں کی پردہ پوشی کی، ہم یہاں بھی تیرے عیبوں کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ جاؤ! اس چھپ چھپ کر رونے کی وجہ سے ہم نے تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔ جب رحمت کا پردہ ہٹے گا تو مخلوق دیکھے گی کہ اس بندے کے نامہ اعمال میں ایک بھی گناہ درج نہیں۔ لوگ سوچیں گے کہ شاید انبیاء میں سے یہ کوئی نبی ہیں کہ جس نے کبھی گناہ کا ارتکاب ہی نہیں کیا۔ اللہ اکبر کبیرا......اے مولا! آپ کتنے ستار ہیں؟ کس قدر مہربان ہیں؟ عیبوں کو دیکھنے کے باوجود آپ بندے کے اوپر ستاری کا

معاملہ فرماتے ہیں۔

ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہیے پڑوسی چونکہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتے ہیں اس لئے انہیں ایک دوسرے کے عیبوں کا جلدی پتہ چلتا ہے تو شریعت نے کہا کہ چھپتے عیبوں کو چھپائیں، ہاں کوئی اعلانیہ عیب کرے، کھلم کھلا کرے تو اب تو اس نے اپنے عیب کو خود ہی ظاہر کر دیا۔ تو چھپے عیبوں کو ہمیشہ چھپانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ اللہ رب العزت کے خلق میں سے ہے۔

رسوا کرو گے رسوا ہو گے!

ایک اور بات یہ کہ جو بندہ دوسروں کے عیبوں کو کھولنے کا عادی ہو، سینئے اور دل کے کانوں سے سینئے! فرمایا کہ جو بندہ دوسروں کے عیبوں کو کھولنے کا عادی ہو یہ بندہ اپنی زندگی میں دیکھے گا کہ اللہ رب العزت اس کے عیبوں کو کھول کر اس کو رسوا کریں گے، چاہے اسے گھر والوں کے سامنے ہی رسوا کریں، یہ دوسروں کو رسوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عادت مبارکہ تھی، رات کو آپ چکر لگاتے تھے، دیکھتے تھے کہ رعایا کس حال میں ہے۔ امیر المؤمنین تھے، ذمہ داری بھی بنتی تھی۔ چنانچہ آپ ایک مکان کے قریب سے گزرے اس میں کچھ روشنی نظر آئی، کچھ باتوں کی آواز سنائی دی۔ آپ کو محسوس ہوا یہاں نارمل لائف نہیں ہے۔

Something is seriously wrong somewhere

کہیں ضرور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے۔

آپ کھڑے ہو کر دیکھتے سوچتے رہے۔ پھر اندر سے کبھی قہقہوں کی آواز آتی۔ کبھی کسی مرد اور عورت کی آواز آتی حتیٰ کہ آپ کی بصیرت نے یہ کہا کہ اندر کوئی گناہ

ہو رہا ہے۔ دروازہ بند تھا۔عمر فاروق ﷺ تھے۔حمیت اسلامی دل میں بہت تھی۔ چنانچہ انہوں نے کیا کیا کہ دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔ جب دیوار کے اوپر چڑھ کر انہوں نے گھر کے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک مرد تھا اور ایک عورت تھی۔ وہ عورت اس کی بیوی نہیں تھی بلکہ اس عورت کو اس نے گناہ کے لئے رات کو اپنے پاس بلایا تھا۔ عمر فاروق ﷺ نے جب اس کو دیکھا تو اس کو دور سے کہا کہ او زنا کرنے والے! اللہ سے خوف کر، اللہ سے ڈر! جب آپ نے اس کو یہ کہا تو اس نے آگے سے جواب دیا کہ اے امیر المومنین! میں نے ایک گناہ کیا آپ نے تین گناہ کئے۔ پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا کہ وَلَا تَجَسَّسُوْا (تم تجسس نہ کرو)۔آپ نے تجسس کیا اور میرے بند گھر کے اندر مجھے دیکھا۔ دوسری بات کہ قرآن مجید نے کہا کہ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا کہ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور آپ دروازے کی بجائے دیوار پر چڑھ کر دیکھ رہے ہیں۔ قرآن مجید نے کہا کہ

لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا

کہ تم بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور اہلِ خانہ کو سلام کر کے گھر میں داخل ہو اور آپ نے اس کے بغیر اس کے مجھ سے گفتگو کی۔ جب اس نے یہ کہا تو سیدنا عمر کو بھی یہ ہوا کہ اس نے جو یہ تین باتیں کی ہیں، ہیں تو یہ سچی۔ تو عمر ﷺ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو سچی توبہ کا وعدہ کرے تو میں اس گناہ کو معاف کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سچی توبہ کی کہ میں آج کے بعد اس گناہ کا مرتکب نہیں ہوں گا۔عمر ﷺ نے کہا کہ اچھا تم میری غلطی کو معاف کر دو اور یہ کہہ کر پھر آپ وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔

پڑوسی کے تین درجے:

شریعت نے کہا کہ پڑوسی کے تین درجے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک درجہ تو یہ کہ پڑوسی کافر ہو۔ یہ بھی اچھے اخلاق اور حسنِ سلوک کا مستحق ہے، اس لئے کہ پڑوسی جو ہوا۔

(۲) دوسرا درجہ یہ کہ پڑوسی بھی ہو اور مسلمان بھی ہو۔ اب اس میں دو حق آ گئے، پڑوسی ہونے کا بھی حق اور مسلمان ہونے کا بھی حق۔

(۳) ایک تیسرا درجہ کہ پڑوسی بھی ہے۔ مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی ہے، قرابت دار بھی ہے، فرمایا کہ اس کا حق تین گنا ہو گیا۔ سوچیے کہ جب شریعت کافر پڑوسی کا بھی حق قائم کرتی ہے تو اگر قرابت دار، رشتہ دار ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں گے تو ان کا ایک دوسرے پر کتنا حق ہوگا!

پڑوس کی حدود:

نبی ﷺ نے ایک صحابی کو کہا کہ تم مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کرو کہ جہاں بندے کا گھر ہوتا ہے اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف چالیس گھروں تک جتنے گھر ہوتے ہیں وہ اس کے پڑوسی ہوتے ہیں۔ تو پڑوسی صرف وہی نہیں ہوتا کہ جس کی دیوار اس سے اکٹھی ہو، نہیں! نبی ﷺ نے فرمایا کہ پڑوس چالیس مکانوں تک ہوتا ہے۔ اور چاروں اطراف میں چالیس مکان، یہ تو پورا محلّہ بن جاتا ہے۔ تو یوں سمجھیے کہ شریعت کی نظر میں پورے محلّہ کے لوگ پڑوس کے حکم میں ہوتے ہیں۔

پڑوسی کے حق کی تاکید:

چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس اتنی دفعہ پڑوسی کے حکم کی تاکید کے لئے آئے کہ مجھے یہ ڈر ہونے لگا کہ کہیں بندے کے مرنے کے بعد پڑوسی کو اس کی وراثت میں نہ شامل کر لیا جائے۔ اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پڑوسی کا کتنا حق ہوگا۔

پڑوسی کے حقوق......

چنانچہ پڑوسی کا حق ہے کہ انسان انہیں اچھے نام سے پکارے، سلام میں پہل کرے، ملیں تو انہیں بٹھانے میں پہل کرے، ہدیہ بھیجنے میں پہل کرے، اپنے گھر کے دھویں سے، کوڑا کرکٹ سے اسے پریشان نہ کرے، حتی کہ اگر پھل خرید کر لائے تو یا تو پڑوسی کو ہدیہ دے ورنہ اس طرح چھپا کر کھائے کہ پڑوسی کے بچوں کو پتہ نہ چلے، ایسا نہ ہو ان کا دل ٹوٹے کہ ہمیں ہمارے والدین نے پھل کیوں نہ لا کر دیئے۔

فرمایا کہ تم اپنی دیوار کو اتنا بلند نہ کرو کہ ہمسائے کی دھوپ رکے یا اس کی ہوا رک جائے۔ اس کے بیٹے یا اس کے غلام سے گفتگو کرنی ہو تو شفقت کی گفتگو کرو۔ ضرورت کے وقت وہ قرض مانگے اور تم دینے کی پوزیشن میں ہو تو پڑوسی کو انکار نہ کرو۔ اپنے پڑوسی کی غیبت نہ کرو۔ اس کی مدد کرو۔ یعنی پڑوسی کی عدم موجودگی میں اگر کبھی اس کا تذکرہ چھڑے تو تم اس کی سائیڈ لو اور اس کی حمایت کیا کرو۔ وہ تمہارا پڑوسی ہے۔ زندگی میں بھی اس کے لئے دعا مانگو اور اس کی وفات کے بعد بھی اس کے لئے دعا مانگتے رہو۔

پڑوسی کے دشمن سے دوستی نہ کرو!

پڑوسی کے دشمن کے ساتھ تم کبھی اپنی دوستی مت کرو۔ سبحان اللہ! کیا عجیب بات کی! فرمایا کہ دیکھو! جو تمہارا پڑوسی ہے یہ تو تمہارا قریبی ہو گیا اب اگر اس کی کسی کے ساتھ دشمنی ہے تو تم اسکے ساتھ دوستی کے تعلقات مت جوڑو، اس سے تمہارے پڑوسی کو ایذاء پہنچے گی۔

پڑوسی کی جان، مال، عزت کی حفاظت کرو

اس کی جان کی حفاظت، مال کی حفاظت، عزت آبرو کی حفاظت تمہارے ذمہ

ہے۔اس لئے زنا کا گناہ ہوتا ہے لیکن شریعت نے کہا کہ جو پڑوسی کی عورت سے زنا کرے اس کے گناہ سے کئی گنا اس بندے کو سزا زیادہ ہوتی ہے۔فرمایا کہ تم اس کے گھر میں نہ جھانکو۔بات کرنے کا موقع ہوتو دروازہ کھٹکھٹا کر ایک طرف کو ہٹ جاؤ ایسا نہ ہو کہ دروازہ کھلے تو بے پردگی کا احتمال ہو۔

پڑوسی کو خوف زدہ نہ کرو!

ایسا کام نہ کرو کہ جس سے تمہارا پڑوسی خوفزدہ رہے۔کئی لوگ ہوتے ہیں نا کہ اردگرد کے لوگوں کو دبا کر رکھتے ہیں۔شریعت نے کہا: ایسا کوئی کام نہ کرو کہ تمہارے پڑوسی تم سے خوفزدہ رہیں۔اس سے تین دن سے زیادہ ناراضگی کی حالت میں بھی کلام بند نہ کرو۔اس سے قطع تعلقی نہیں کر سکتے اس لئے کہ ناراض ہوں گے تو صاف ظاہر ہے کہ غیبت کریں گے۔

شیطان کا شہد اور راکھ......

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا، اس کے پاس دو چیزیں تھیں۔میں نے اس سے کہا کہ اے بدمعاش! یہ کیا دو چیزیں لیے پھرتا ہے؟ کہنے لگا کہ ایک بوتل میں شہد ہے اور ایک چیز میں راکھ ہے۔میں نے کہا کہ تجھے اس کی کیا ضرورت پڑگئی؟ کہنے لگا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں ان کے ہونٹوں پر شہد لگاتا ہوں تو ان کو غیبت کرنے میں مزہ آتا ہے، لگے رہتے ہیں غیبت کرتے ہی رہتے ہیں۔تو جب بھی محفل میں غیبت ہو رہی ہو آپ یہی سوچا کریں کہ اب اس وقت شیطان ہمارے ہونٹوں پر شہد لگا رہا ہے۔اور ہمیں غیبت کرنا بڑا اچھا لگ رہا ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا راکھ کس لیے لیے پھر رہے ہو؟ تو اس نے کہا: اس راکھ کو میں یتیم کے چہرے پر مل دیتا ہوں تو دیکھنے والے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، محبت کی

نظر سے نہیں دیکھتے اور اللہ کی رحمت سے خود محروم ہو جاتے ہیں۔

عزیز رشتہ داروں سے بھی زیادہ حق پڑوسی کا ہے:

شریعت نے کہا کہ عزیز رشتہ داروں سے بھی زیادہ حق پڑوسی کا ہے اس لئے کہ وہ قریب ہوتا ہے۔ اور واقعی وقت بے وقت پڑوسی ہی کام آتے ہیں۔ دکھ سکھ میں بھی وہی شریک ہوتے ہیں۔

جسے پڑوسی اچھا کہیں، اللہ کی نظر میں وہ اچھا ہے:

چنانچہ نبی ﷺ نے ایک عجیب بات فرمائی۔ فرمایا کہ اگر پڑوسی تجھے اچھا کہتے ہیں تو اللہ کی نظر میں بھی اچھا ہے اور اگر پڑوسی تجھے برا کہتے ہیں تو اللہ رب العزت کی نظر میں بھی تو برا ہے۔ عورتیں عام طور پر نازک ذہن کی ہوتی ہیں بعض دفعہ ایک بات کا الٹا مطلب لے لیتی ہیں، الٹا اثر لے لیتی ہیں، یہیں سے جھگڑوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ لہٰذا جتنے قریب کے پڑوسی ہوتے ہیں اتنے ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ حسنِ معاشرت یہ ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھے تاکہ ان کی زبان سے تعریف نکلے اور آپ یہ سمجھ کر رہیں کہ اگر پڑوسی کی زبان سے تعریف نکل آئی تو یوں سمجھیں کہ اللہ رب العزت کے دفتر میں ہماری تعریف لکھ دی گئی۔

پڑوسی کو استعمال کی چیز سے انکار نہ کریں:

روزمرہ کی استعمال کی چیزیں اگر پڑوسی مانگیں تو انکار نہ کریں۔ اگر آپ پڑوسی سے کوئی چیز مانگیں تو اسے بے احتیاطی سے استعمال نہ کریں۔ جھگڑے یہیں سے شروع ہوتے ہیں کہ چیز مانگی، استعمال کرنے میں بے احتیاطی کر لی، استعمال کرنے کے بعد بھی پڑی رہی، لوٹانا ہی بھول گئی۔ احسان فراموش نہ بنیں۔

پڑوسیوں سے حسد سے بچیں:

پڑوسیوں کے ساتھ حسد سے بھی بچیں۔اس کے بیٹے کو نوکری مل گئی،اس کی بیٹی کو اچھا رشتہ مل گیا،ان چیزوں سے حسد آتا ہے۔اگر اللہ نے اس کے ساتھ اچھا کیا تو آپ بھی خوش ہوں کہ اللہ انہیں اور زیادہ عزتیں دے۔مال پیسے پر نظریں نہ رکھیں۔

﴿ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ﴾

[اللہ کے نزدیک عزت والا وہ جو زیادہ متقی ہے]

سہیلی بھی پڑوسن کے حکم میں ہے......

شریعت نے کہا کہ سہیلی بھی پڑوسن کے حکم میں ہوتی ہے۔کئی مرتبہ عورتوں کی آپس میں پیار محبت ہو جاتی ہے۔دونوں کلاس فیلوز تھیں،شادی کے بعد بھی ایک دوسرے کے ساتھ پیار محبت رہا یا کہیں ملاقات ہوئی طبیعتیں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئیں تو ایک دوسرے سے پیار ہو گیا تو ایسی عورتیں ایک دوسرے کو سہیلی کہتی ہیں۔شریعت نے کہا کہ سہیلی کے حقوق بھی پڑوسن کے حکم میں ہیں۔

زیادہ دوستی ٹھیک نہیں:

مگر یہاں ایک بات ذرا توجہ طلب بھی ہے کہ عورتوں کی آپس کی دوستی بڑی عجیب ہوتی ہے،کبھی ایک دوسرے کے ساتھ اتنی دوستی کہ ہائے میں قربان اور کبھی چھوٹی سی بات پر ایک دوسرے کی دشمن نمبر ایک۔کبھی تو اتنی محبت کہ ایک جیسے کپڑے پہن رہی ہیں کہ جیسے کپڑے یہ پہنے گی ویسے کپڑے میں بنواؤں گی،اور کبھی چھوٹی سی بات پر ایک دوسرے سے ویر پڑ جاتا ہے۔اسی کو افراط وتفریط کہتے ہیں۔لہٰذا ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ کسی کو سہیلی بنانا ہی نہیں چاہئے،اگر کوئی عورت سہیلی بنانا چاہے تو اپنی بہنوں کو بنائے،اپنی ماں کو بنائے۔کتنی اچھی سہیلی!جو ہر وقت آپ کے گھر میں

موجود ہوگی، ہر وقت آپ کے ساتھ ہوگی۔ گھر کی چار دیواری سے باہر کسی سے کیا دل لگانا، پریشانی ہوتی ہے۔ تو آسان طریقہ یہ کہ اپنی بہنوں کو اپنی سہیلی بناؤ یا اپنی والدہ کو اپنی سہیلی بناؤ۔

بچوں کے جھگڑے میں حصہ دار نہ بنیں:

ہمسائے سے جھگڑے کا ایک بڑا سبب عام طور پر بچے بن جاتے ہیں وہ آپس میں مل کر کھیلتے ہیں، جھگڑتے ہیں اور ان کا جھگڑا پھر بڑوں میں آجاتا ہے اس پر الحمد للہ ایک مستقل بیان ہو چکا اور اب آپ سمجھتی ہوں گی کہ بچوں کی لڑائی میں بڑوں کو حصہ دار نہیں بننا چاہیے۔

عمل اور ردعمل......

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ہمارا اپنا عمل دوسرے کے ردعمل کو متعین کرتا ہے۔ دوبارہ یہ بات سنیں اور یاد رکھیں کہ ہمارا عمل دوسرے کے ردعمل کا تعین کرتا ہے۔ ہم محبت کا ہاتھ بڑھائیں گے تو دوسرا بھی محبت کا ہاتھ بڑھائے گا، ہم اگر کھنچے رہیں گے تو دوسرا بھی کھنچا رہے گا۔ جو ہم کریں گے اسی کا ردعمل آگے سے ظاہر ہوگا۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم پڑوسیوں کے ساتھ محبت کا تعلق رکھیں کیونکہ اللہ رب العزت نے ہمیں اس کا حکم دیا۔ سنئے اور دل کے کانوں سے سنیے! چونکہ اللہ رب العزت کے پیارے حبیب ﷺ نے حدیث پاک میں فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ

[جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے]

اب سوچیے کہ اتنے واضح لفظوں میں ایک بات کہی گئی کہ اگر تم اللہ پر ایمان

رکھتے ہو اور اللہ کی ملاقات پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ عزت کا معاملہ کرو۔

پڑوسی سے حسنِ سلوک کی تعلیم......

ایک بندہ قیامت کے روز اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوگا۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے، میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا ہی نہ کھلایا، میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی ہی نہ پلایا، میں بیمار تھا تو نے میری طبیعت ہی نہ پوچھی، وہ بندہ بڑا حیران ہوگا، کہے گا: اے رب کریم! آپ ان چیزوں سے منزہ اور مبرہ ہیں، آپ کو بھوک پیاس اور بیماری کا کیا معنیٰ؟ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھو! کہ فلاں موقع پر تمہارا پڑوسی بھوکا تھا، اگر تم نے اسے کھانا کھلایا ہوتا تو ایسے ہی ہوتا کہ گویا تم نے مجھے کھانا کھلایا، تم اسے پانی پلاتے ایسے ہی ہوتا جیسے تم نے مجھے پانی پلایا اور اگر تم اس کی طبع پرسی، عیادت کرتے ایسے ہی ہوتا جیسے تم نے میری عیادت کی۔ اب ذرا سوچئے کہ اللہ رب العزت اگر یوں فرمائیں گے کہ پڑوسی کی عیادت کرنا ایسے ہی ہے جیسے اللہ رب العزت کی عیادت کرنا اور کن الفاظ میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی جائے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ اس کے بعد الفاظ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔

سات گھروں کا چکر:

چنانچہ ہمارے اکابر پڑوسی کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتے تھے کہ دور صحابہ کی بات ہے کہ ایک گھر میں بکری کٹی، گوشت بنایا گیا۔ انہوں نے سوچا کہ اس بکری کی جو سری ہے وہ ہم ہمسائے کے گھر بھیج دیتے ہیں، وہ پکا کر کھالیں گے۔ انہوں نے وہ سری ہمسائے کے گھر میں بھیج دی۔ ہمسائے کی عورت نے سوچا کہ ہمارے گھر میں تو

سبزی ہے ہم پکا ہی لیں گے، پتہ نہیں ہمارے فلاں پڑوسی کے گھر میں کچھ ہے یا نہیں یہ سری ان کے گھر میں بھیج دیتی ہوں، اس نے وہ سری ان کے گھر میں بھیج دی۔ جب تیسری پڑوسن کے گھر میں پہنچی تو اس نے سوچا کہ میرے گھر میں تو دال ہے، پکا ہی لوں گی چلو میں یہ اپنی فلاں پڑوسن کے گھر میں بھیج دیتی ہوں، اس نے آگے چوتھے گھر میں بھیج دی۔ چوتھی نے بھی یہی سوچا، پہلے سے سالن موجود ہے فلاں کے گھر بھیج دیتی ہوں اس نے آگے پانچویں کے گھر بھیج دی، پانچویں نے بھی یہی سوچا کہ میں اپنی فلاں پڑوسن کے گھر میں بھیج دیتی ہوں، جب اس نے بھیجی تو وہ سری لوٹ کر اسی گھر میں آئی جہاں سے وہ چلی تھی۔ چھ گھروں میں سے ہوکر وہ بالآخر اسی گھر میں واپس آتی ہے اتنا ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیار کا تعلق ہوتا تھا۔

عورت گھوڑے اور گھر میں برکت:

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عورت، گھوڑے اور گھر کے اندر ایک برکت ہوتی ہے۔

صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا برکت ہے؟

فرمایا کہ عورت کی برکت تو یہ ہے کہ اس کا مہر کم ہو، شادی کرنا اس سے آسان ہو، اس کے اندر نیکی دینداری ہو، یہ عورت کے اندر برکت ہوتی ہے۔

گھوڑے کے اندر برکت یہ ہے کہ وہ سوار کو آسانی سے سواری کرنے دے، اسے لات وغیرہ نہ مارے۔

اور گھر کی برکت یہ ہے کہ گھر کھلا ہو اور گھر کے پڑوسی نیک اور اچھے ہوں۔ یہ گھر کے اندر برکت ہوتی ہے۔

لہٰذا ہمارے اکابر جب گھر خریدنے یا بنانے لگتے تھے تو پڑوس کو پہلے دیکھا کرتے تھے۔

اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ [پہلے پڑوس بعد میں گھر]

اس لئے اکثر احباب مسجد کے قریب گھر بناتے تھے کہ اللہ رب العزت سے بہتر پڑوسی اور کون ہوسکتا ہے۔

پڑوس کی قیمت:

چنانچہ عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ان کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ یہودی نے کہیں اور جانا تھا،سوچا کہ میں اپنا مکان بیچتا ہوں۔ایک مسلمان اس کا مکان خریدنے کے لئے پہنچا۔اس نے کہا کہ جی مکان کی کیا قیمت مانگتے ہیں؟ اس نے کہا کہ دو ہزار دینار۔ وہ خریدار بڑا حیران ہوا کہ اتنی زیادہ قیمت۔ کہنے لگا کہ یار اس علاقے میں مکان ایک ہزار دینار میں آرام سے مل جاتے ہیں؟ یہودی نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار تو مکان کی قیمت ہے اور دوسرا ہزار دینار عبد اللہ ابن مبارک کے پڑوس کی قیمت ہے۔سوچیں ایک وقت ایسا تھا کہ ہم کتنے اچھے حسن سلوک سے زندگی گزارتے تھے کہ ہمارے پڑوس کے مکانوں کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں۔کاش! اللہ رب العزت ہمیں ایسا ہی پڑوسی بنادے۔

پڑوسی کو ایذاء پہنچانے کا عذاب:

اور اگر ہم پڑوسی کو ایذاء دیتے ہیں، تکلیف دیتے ہیں،اس کے حقوق پورے نہیں کرتے تو یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ اللہ کی طرف سے اس پر عذاب بھی ہے۔ چنانچہ شریعت نے کہا کہ جو شخص پڑوسی کا دل دکھاتا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جہنم میں ڈالیں گے اور اس کو خارش کی بیماری میں مبتلا کردیں گے۔اور وہ خارش کی بیماری ایسی ہوگی کہ یہ اپنے ناخنوں سے اپنے گوشت کو کھجانا شروع کرے گا اتنا کھجائے گا کہ گوشت کٹ کر اس میں سے ہڈیاں نظر آنے لگ جائیں گی۔اتنا کھجائے گا اتنی خارش ہوگی۔پھر جسم ٹھیک کردیا جائے گا پھر خارش محسوس ہوگی اور یہ اپنے جسم کو

پھر کھجائے گا حتی کہ گوشت کٹ کر پھر ہڈیاں نظر آنے لگ جائیں گی۔فرشتے پوچھیں گے: اس کو یہ عذاب کیوں ملا؟ بتایا جائے گا کہ یہ پڑوسی کا دل دکھاتا رہتا تھا، اس کے بدلے اللہ رب العزت نے اس کو جہنم میں یہ عذاب دیا۔

پڑوسی کی دل آزاری......نمازیں کام نہیں آئیں گی!

چنانچہ نبی ﷺ کے سامنے تذکرہ ہوا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! ایک عورت ہے نمازیں بھی پڑھتی ہے، روزہ بھی رکھتی ہے، نیک پردہ دار بھی ہے مگر زبان کی تیز ہے، پڑوسی کے ساتھ اس کی تلخ کلامی ہوتی رہتی ہے۔ پڑوسی خوش نہیں ہیں پڑوسیوں کا دل دکھاتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت پڑوسیوں کا دل دکھاتی ہے اپنے روزے نمازوں کے باوجود قیامت کے دن اللہ رب العزت اس کو جہنم کے اندر ڈالیں گے اتنی وضاحت سے نبی علیہ السلام نے یہ بات بتادی کہ اگر پڑوسی کا دل دکھایا تو اپنی نیکی اور نمازوں کے باوجود جہنم میں جائے گی۔

لڑکیاں پڑوسی مردوں سے احتیاط برتیں:

اب یہاں سے کوئی غلط مطلب نہ لے۔کوئی لڑکی پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کے بہانے ان کے مردوں سے نرمی کا معاملہ کرے اور کوئی برا تعلق ہی جوڑ لے۔ یاد رکھیں کہ نوجوان لڑکیوں کو پڑوسی مردوں سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ نفس وشیطان تو انسان کو گرانے میں ہر وقت طاق میں لگے ہوئے ہیں۔ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے عورتیں عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھیں اور مرد پڑوس کے مردوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھیں۔

حسنِ سلوک کی ضرورت ہے......

کئی دفعہ ماں باپ بہن بھائیوں کے گھر قریب قریب ہی چار دیواری کے اندر

بنا دیتے ہیں۔ اب یہ بہن بھائی بھی ہوئے اور پڑوس بھی ہوئے۔ اور دیکھا یہ گیا ہے کہ سب سے زیادہ جھگڑے بھی یہیں ہوتے ہیں۔ تو تصور کیجئے کہ بھائی بھی ہے، ایمان والا بھی ہے، پڑوسی بھی ہے لیکن پھر اس کے ساتھ اندر کی لڑائیاں ہیں، رقابتیں اور عداوتیں ہیں۔ تو قیامت کے دن جہنم کی آگ سے ہمیں بچنا کیسے نصیب ہوگا؟ آج دل میں یہ فیصلہ کر لیجئے کہ ہم نے پڑوسیوں کے حقوق میں آج تک جو کوتاہی کی ہم اس سے توبہ کرتے ہیں۔ ہم ان پڑوسیوں سے بھی اچھے الفاظ میں معافی مانگ لیں گے اور آئندہ حسن سلوک، محبت پیار سے رہنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ رب العزت کو صلح پسند ہے:

اللہ رب العزت کو صلح بہت پسند ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ایک عجیب مضمون بتایا گیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو دو آدمی اللہ رب العزت کے سامنے مقدمہ پیش کریں گے وہ پڑوسی ہوں گے۔ قیامت کے دن جو دو بندے اللہ کے سامنے حقوق العباد میں اپنا مقدمہ پیش کریں گے وہ پڑوسی ہوں گے۔ ان میں ایک کہے گا: اس نے میرا دل دکھایا، مجھے پریشان کیا، بڑا نیک نمازی تھا، مجھے ستاتا تھا، اللہ مجھے اب اس کا بدلہ دلوایئے۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ اچھا تم اس کی نیکیاں لے لو۔ اب جب نیکیاں لینے لگے گا، تو یہ بندہ اس کی زندگی کی ساری نیکیاں لے لے گا۔ پوری نیکیاں لینے کے بعد پھر بھی مطمئن نہیں ہوگا۔ کہے گا! اللہ! اس کے پاس نیکیاں تھوڑی ہیں، مجھے تو اس نے زیادہ ستایا ہے، مجھے زیادہ نیکیاں چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا تمام اپنے گناہ اس کے سر ڈال دو۔ چنانچہ یہ پڑوسی اپنے سارے کے سارے گناہ اس کے سر پر ڈال دے گا اور پھر کہے گا: اے اللہ! سارے گناہ اس کے سر پر ڈالنے کے باوجود جو اس نے میرا دل دکھایا تھا، میرا دل ابھی خوش تو نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا تم ذرا فلاں طرف دیکھو! یہ شخص اس طرف

دیکھے گا تو اسے جنت کے مکان نظر آئیں گے، اس قدر خوبصورت، اتنے پیارے! ان مقامات کی طرف دیکھ کر اس بندے کے دل میں یہ تمنا ہوگی کہ میں ان مکانوں میں چلا جاؤں اور وہاں جا کر رہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے میرے بندے! کیا تو ان مکانوں میں جانا چاہتا ہے؟ وہ کہے گا یا اللہ! میں جانا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا! اگر تم اپنے اس بھائی کو معاف کر دو تو میں تمہیں ان مکانوں میں جگہ دے دوں گا۔ چنانچہ یہ پڑوسی جس کا دل دکھا تھا وہ کہے گا کہ اللہ! میں نے اس کو معاف کر دیا تو مجھے جنت میں گھر عطا کر دے۔ اللہ فرمائیں گے اچھا جب تم نے اس کو معاف کر دیا تو تم اکیلے جنت میں نہ جاؤ، اپنے پڑوسی بھائی کو اپنے ساتھ جنت میں لے کر چلے جاؤ، مجھے صلح پسند ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو تو قیامت کے دن بھی دو پڑوسیوں میں صلح ہی پسند ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم آج پڑوسیوں کے ساتھ صلح صفائی سے رہنے والے بن جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں۔ اللہ رب العزت ہمیں صلح اور پاکیزگی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (تیرہ جلدیں)
- مجالس فقیر (چھ جلدیں)
- مکتوبات فقیر
- حیات حبیب (سوانح حیات)
- عشق الٰہی
- عشق رسول ﷺ
- باادب بانصیب
- لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
- نماز کے اسرار و رموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے
- پریشانیوں کا حل
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- مثالی ازدواجی زندگی کے رہنما اصول
- حیاء اور پاکدامنی
- زلزلہ......مشاہدات و واقعات
- ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

❁ معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ بائی پاس جھنگ 0471-622832,625454

❁ معہد الفقیر گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246

❁ جامعہ دار الہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966

❁ دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059

❁ ادارۂ اسلامیات، 190 انار کلی لاہور 7353255

❁ مکتبہ مجددیہ، اردو بازار لاہور

❁ مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

❁ اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی

❁ مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

❁ دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی

❁ ادارہ تالیفات اشرفیہ، اشرفیہ منزل، فوارہ چوک ملتان 061-540513

❁ مکتبہ امدادیہ نزد خیر المدارس، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965

❁ مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364

❁ حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956

❁ جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی 051-5462347

03009834893

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد